ماهنامه

صراطِ مستقیم

برمنگھم

July 2026





وَمَنۡ يَعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 46 No. 09 July 2026

Muharram al-Haram/ Safar1448 AH

جلد: 46 شمارہ: 09 جولائی 2026ء

محرم الحرام/صفر: 1448ھ

فہرست مضامین

فکر و نظر	فٹبال کپ کا عالمی مقابلہ	مولانا عبدالہادی العمری	03
سیر و سوانح	اہل بیت اطہار محبت، عظمت اور وحدت کا مینار	قاری احمد صدیق	05
درس قرآن	سورۃ المدثر ایک مختصر تعارف	مولانا محمد عبدالحفیظ اسلامی	12
خطبات ساجد میر	زندگی میں مصائب کا سامنا کیسے کریں؟	پروفیسر سینیٹر ساجد میر رحمہ اللہ	16
فقہی مسائل	عصری علوم کے ساتھ دینی علوم کی ضرورت	ڈاکٹر سید حسین مدنی (مؤسس ادارہ کل ہند تحقیقات علمیہ وصدر فتویٰ بورڈ تلنگانہ)	21
حدیث و علوم الحدیث	عمدۃ الأحکام؛ جمعہ کا بیان (قسط 58)	فضل الرحمٰن حقانی، خطیب وامام محمدی مسجد نیلسن یوکے	24
کرامات صحابہ واولیاء	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ کی کرامتیں (قسط 27)	ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی	26
سیرت رسول	رسول اللہ ﷺ کا پیغام عصبیت اختیار کرنے والوں کے نام	محمد عبدالرحیم خرم عمری جامعی	32
فقہ و فتاوی	سوالات کے جوابات	ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)	36
تاریخ	تاریخ اہل حدیث	ڈاکٹر بہاؤالدین	39

Correspondence Address:
SIRATE-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK

www.mjah.org.uk/siratemustaqeem

E-mail: info@mjah.org.uk



فٹبال کپ کا عالمی مقابلہ

مولانا عبدالہادی العمری

وقت گزرتے دیر نہیں لگتی، دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں ڈھل جاتے ہیں۔یہی انسانی زندگی کی بے ثباتی ہے۔ ہر گزرنے والا دن ہمیں اپنی موت سے قریب اور یومِ حساب سے قریب تر کر رہا ہے، لیکن لوگ اس نازک گھڑی سے غافل، رنگ رلیوں اور لہو و لعب میں اتنے مدہوش ہیں کہ اکثریت کو آنے والے یومِ حساب کی پرواتک نہیں۔

﴿اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ﴾ (سورۃ الحدید:20)

زندگی کھیل کود اور تماشہ ہے۔

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾

چار سال قبل قطر میں فیفا کی جانب سے فٹبال کے عالمی مقابلے منعقد ہوئے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے چار برس کی طویل مدت عبور کر کے دوبارہ عالمی مقابلے شروع ہو چکے ہیں۔ گزشتہ مرتبہ عرب ملک قطر میں یہ مقابلے منعقد ہوئے تھے، اور اب تین بڑے ممالک، امریکا، کینیڈا اور میکسیکو، اس کی مشترکہ میزبانی کر رہے ہیں۔ ان مقابلوں میں حصہ لینے کے لیے 48 ممالک کی ٹیمیں، جن میں تیرہ مسلم ممالک بھی شامل ہیں، امریکا پہنچ چکی ہیں۔

ہمیں اس کھیل سے واجبی سی دلچسپی، تفریحِ طبع کی حد تک ہی ہے۔ ہم کھیل کو ورزش اور ضروری تفریح کے دائرہ تک رکھنے کے قائل ہیں، جب چیزیں حدود سے تجاوز کر جائیں تو اس کے منفی اثرات مرتب ہونے لگتے ہیں۔ آج کل ایسے مقابلے جوئے کا بڑا ذریعہ بن چکے ہیں۔ میچ کے دوران اربوں ڈالر جوئے کی نذر ہوتے ہیں۔ صرف مجموعی ٹیم پر ہی نہیں بلکہ انفرادی طور پر کھلاڑیوں کی کارکردگی کے حوالے سے بھی بھاری شرطیں اور جوا بازی ہوتی ہے۔

کھیل کی تکنیکی جزئیات سے قطعِ نظر، کس ٹیم کا کیا معیار ہے اور کس کھلاڑی کا کیا مقام ہے، ہم ان پہلوؤں پر گفتگو محدود کریں گے جو کسی بھی دیدہ بینا رکھنے والے کے لیے غور طلب ہے،، خصوصاً میڈیا کا رویہ، جانبدارانہ رپورٹنگ اور طرف داری کے عجیب نمونے سامنے آ رہے ہیں۔

گزشتہ مرتبہ متوقع مقابلوں کے اعلان کے ساتھ ہی عالمی میڈیا کی توجہ چند مسائل کی طرف مرکوز ہو کر رہ گئی تھی، جن کا بار بار مختلف پیرایوں میں ذکر کیا جاتا رہا اور سخت منفی ریمارکس دیے جاتے رہے۔ خلیج عرب کا موسم نسبتاً گرم ہوتا ہے، تو مغربی ممالک کے نازک اندام کھلاڑی مقابلوں میں کیسے کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں؟ قطر اسلامی ملک ہے، وہاں عوامی اجتماعات میں شراب نوشی ممنوع ہے، لہٰذا شراب، یعنی ’اُمُّ الخبائث‘، سے دوری تماشائیوں کے لیے کسی چیلنج سے کم نہیں۔ اس ملک میں ہم جنس پرستی بھی ممنوع ہے، بلکہ اس فعلِ شنیع کی تائید کے لوگو اپنے لباس پر لگا کر میدان میں آنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ جب کھلاڑیوں کو قطری تعلیمات کے مطابق میدان میں قدم رکھنا پڑا تو چند ایک نے ان پابندیوں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اپنے چہروں پر سیاہ پٹیاں باندھ رکھی تھیں۔ اس پر تبصرہ نگاروں نے پھبتی کسی کہ سیاہ کاریوں کے باعث احساسِ ندامت نے انہیں اپنے چہروں کو چھپانے پر مجبور کیا ہے۔

مختصر مدت میں اتنے محدود ذرائع حمل و نقل اور مختصر مواصلاتی نظام والے ملک میں اس نوعیت کے عالمی مقابلے کیسے منعقد ہو سکتے ہیں؟ لیکن قطری حکومت نے تمام منصوبے مکمل کر کے ترقی یافتہ ممالک کو پیچھے چھوڑ دیا۔ پھر جب یہ خلا بھی پُر ہو گیا تو ناقدین کی ہمدردیاں مزدوروں کے ساتھ ہونے لگیں کہ تعمیرات میں تیز رفتاری کے سبب مزدوروں کو پُر مشقت مراحل سے گزرنا پڑا۔ غرض باتیں اس طرح کی ہو رہی تھیں کہ صبح بھی اپنی، شام بھی اپنی، چت بھی اپنا، پٹ بھی اپنا حتیٰ کہ فیفا کے چیئرمین کو عالمی پریس کانفرنس میں وضاحت کرنی پڑی، انہوں نے جن خیالات کا اظہار کیا، وہ ناقدین کے منہ پر زناٹے دار طمانچے سے کم نہیں۔ انہوں نے قطر کو حقوقِ انسانی اور اخلاقیات کا درس دینے والے یورپی باشندوں سے کہا، اگرچہ میں بھی یورپی ہوں، مگر سچائی یہ ہے کہ ہم سب نے عام لوگوں اور کمزور ممالک کے ساتھ گزشتہ صدیوں میں جو کچھ کیا ہے، پہلے ہمیں اپنے کرتوتوں پر شرمندہ ہونا چاہیے اور معذرت کرنی چاہیے، پھر دوسروں کو اخلاقیات کا درس دینا زیب دیتا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ قطر، ٹورنامنٹ کی میزبانی کے لیے دیگر ممالک سے بہتر ثابت ہو گا۔

خلیج عرب کے موسم کو جن ناقدین نے نشانہ بنایا تھا، اس سال قدرت کا نظام دیکھیے کہ ٹھنڈے ممالک گرمی کی شدید لپیٹ میں ہیں۔ اس کے لیے کھلاڑیوں کو دورانِ کھیل مناسب وقفہ دینے کا قانون بنایا گیا، جسے تمازت (Hydration Break) کم کرنے کا نام دیا گیا، لیکن شناسا بھانپ گئے کہ اس کو کھلاڑیوں کی

راحت سے زیادہ اشتہارات کا ذریعہ بنایا گیا۔ گویا ہر موڑ پر مال کسب مال ترجیح اول رہی۔

اس وقت گرمی کی شدید لہر کے سبب شراب کے کھلے عام استعمال اور اشتہارات سے بھی روکا جارہا ہے۔

قطر میں منعقد ہونے والے چند مقابلوں کے بعد ہی شائقین کا تجزیہ تھا کہ ورلڈ کپ کی تاریخ میں اس درجے کی میزبانی کسی اور ملک نے نہیں کی اور نہ ہی اتنے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کہیں اور دیکھنے میں آیا۔ غیر مسلم خواتین کا خیال تھا کہ عوامی مقامات میں شراب پر پابندی کے باعث ہم یہاں اپنے ممالک سے زیادہ سکون محسوس کر رہی ہیں۔ یوں اسلامی تہذیب کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والوں کو جگہ جگہ منہ کی کھانی پڑی۔

ایران کی ٹیم ورلڈ کپ کے قوانین کے مطابق کوالیفائی کر کے میچ کھیلنے کے قابل بنی، لیکن وقتِ مقررہ پر ٹیم نہ پہنچ سکی اور نہ ہی اسکواڈ میں شامل تمام افراد سفر کر سکے، کیونکہ امریکی حکام نے ان کے خلاف ویزا کی سخت پابندیاں متعارف کروادیں اور کئی افراد کو ویزا ہی نہیں دیا، جو فیفا قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ ایرانی کھلاڑیوں کو امریکی ہوٹل میں قیام کی اجازت بھی نہیں دی گئی اور نہ انہیں کھیل کے میدان کے باہر گھومنے کی اجازت ہوگی۔ وہ پڑوسی ملک میں قیام کریں گے، وہاں سے سیدھے میدان پہنچیں گے اور میچ ختم ہوتے ہی آرام کرنے کے لیے دوبارہ پڑوسی ملک واپس روانہ ہو جائیں گے۔

شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ دنیا کا طاقتور ملک، سپر پاور امریکا نے جس ایران کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے عزم کے ساتھ اس پر یلغار کی، نہ صرف ملک سلامت ہے، نقصانات کے باوجود اسی ملک کے کھلاڑی آج آپ کے میدان کو کروڑوں مشاہدین کے سامنے روندتے نظر آرہے ہیں۔ گویا ایرانی زندہ ہیں بلکہ کھیل کود اور تفریحی مشاغل بھی جاری ہیں۔

جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

قطع نظر اس کے کہ میچ کا نتیجہ کیا نکلتا ہے اور فاتحِ عالم کا تمغہ کس کے سر سجتا ہے، وہاں کا ہر کھلاڑی زبانِ حال سے کہہ رہا ہے:

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

معاملہ صرف ایرانی کھلاڑیوں کا نہیں، بعض دیگر افریقی ممالک کے کھلاڑیوں کو بھی ایئرپورٹ پر طویل وقت کے لیے ذلت آمیز طریقے سے کھڑا رکھا گیا اور بعض کھلاڑیوں کو لمبے انٹرویو اور تفتیشی مراحل سے گزارا گیا۔ کہاں ایک مسلم ملک کی سخاوت، ضیافت اور رواداری، اور کہاں مغربی ملک کی حقارت، اہانت اور جانبداری۔ حتیٰ کہ شائقین کو کہنا پڑا کہ مجموعی اعتبار سے ورلڈ کپ کی تاریخ کے بدترین انتظامات دیکھنے میں آرہے ہیں۔

میچ کے دوران قطری کھلاڑیوں نے جلتی پر آگ اس وقت چھڑکی جب ان کی ٹیم نے گول کیا تو کھلاڑی میدان میں ہی سربسجود ہو گئے۔ یہ منظر اسٹیڈیم میں بیٹھے ہزاروں شائقین نے براہِ راست اور کروڑوں لوگ بالواسطہ دیکھ رہے تھے کہ کھیل کے میدان میں بھی اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا جاتا ہے۔ بظاہر کھلاڑیوں کا ایک سجدہ سادہ سا واقعہ تھا، لیکن حقیقت میں ایک طرف اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا اور دوسری طرف جگہ جگہ ان کے نعتیے:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

بہرحال، عقلمند مسلمان کو چاہیے کہ دنیا کی چکاچوند آخرت فراموشی کا سبب نہ بنے۔ ہر گزرنے والا لمحہ ہمیں موت اور حساب سے قریب کر رہا ہے۔ اس دن کی ہولناکی ہر شخص کو اپنے اور پرایوں سے بیگانہ کر دے گی۔ جو کچھ اس نے زندگی میں کیا ہو گا، اسی ریکارڈ کے مطابق نتیجہ بھگتنا ہو گا۔

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ 0 وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾

☆☆☆

ذکر کے متعلق اقوال

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میرے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”ذکر دل کیلئے ایسے ہیں جیسے مچھلی کیلئے پانی پس اسوقت مچھلی کا کیا حال ہوتا ہے جب وہ پانی سے دور ہو۔“

(التحفۃ العراقیۃ:15/85؛ الوابل الغیب:96)

☆☆☆

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

”حصول صبر اور حصول مدد کیلئے آزمائش کے دوران بھی لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتے رہنا چاہیے یہ کلمہ استرجاع نہیں ہے بلکہ کلمہ استعانت ہے۔“

(الاستقامۃ:812/812)

اس کو شوق سے پڑھنے سے مایوسی ختم ہو جاتی ہے اور ہر غم دور ہوتا ہے ہر خوشی نصیب ہوتی ہے، ریاض شہر میں ایک بہت بڑے عالم دین ہے انکو "خطیب العرب" بھی کہا جاتا ہے ان کا نام ’سعد عتیق العتیق‘ ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ

”ایک دفعہ میں ریاض سے جدہ ائیر پورٹ پر اترا اسی دوران میں مجھے ایک نمبر سے بہت زیادہ کالیں آئی جب میں نے اس بھائی سے بات کی تو اس نے کہا: ”میں بہت زیادہ مقروض تھا، میں بہت زیادہ غمگین تھا اور مجھے بہت زیادہ مشکلیں پہنچ چکی تھی بس میں نے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" پر ہمیشگی کی تو اللہ نے ہر آزمائش دور کرتے ہوئے مجھے پر ہر نعمت عطاء کردی۔“

☆☆☆



الحمدللہ! اسلام وہ دین ہے جس نے عدل، اعتدال اور محبت کا ایسا حسین تصور پیش کیا ہے کہ اس میں نہ افراط کی گنجائش ہے اور نہ تفریط کی۔ اسی اعتدال کا ایک روشن مظہر اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم سے محبت ہے۔ یہ وہ مقدس خانوادہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نبوت کے نور سے سرفراز فرمایا، قرآنِ مجید میں جن کی طہارت کا اعلان کیا، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی محبت، شفقت اور خصوصی توجہ سے امت کے لیے ان کا مقام واضح فرمایا۔

اہلِ بیتِ اطہار کی محبت محض جذباتی وابستگی کا نام نہیں، بلکہ یہ ایمان کا تقاضا، سنتِ نبوی کا تقاضا اور اہلِ سنت والجماعت کے عقیدے کا ایک اہم حصہ ہے۔ اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت بھی دین کا لازمی جزو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ سنت کا منہج ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ اہلِ بیت سے بھی والہانہ محبت کرتے ہیں اور تمام صحابۂ کرام سے بھی قلبی عقیدت رکھتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں جماعتیں دینِ اسلام کے دو عظیم ستون ہیں۔

محرم الحرام کے ایام میں جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظیم شہادت کا تذکرہ ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ اس موضوع کو صرف جذبات کی عینک سے نہیں، بلکہ قرآن و سنت، صحیح احادیث اور مستند تاریخی روایات کی روشنی میں سمجھا جائے، تاکہ اہلِ بیت کی حقیقی محبت، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی، اور صحابۂ کرام و اہلِ بیت کے باہمی تعلقات سے وہ رہنمائی حاصل ہو سکے جو امت کے اتحاد، اعتدال اور باہمی محبت کا سبب بنے۔

آج کے اس خطبے میں ہم اہلِ بیتِ اطہار کی عظمت، ان کے فضائل، حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی سیرت، صحابۂ کرام کی اہلِ بیت سے محبت، صلحِ حسن، واقعۂ کربلا، اور اہلِ بیت کی محبت کے حقیقی تقاضوں کا جائزہ لیں گے، تاکہ ہمارا تعلق اس مبارک خانوادے سے محض دعوے کی حد تک نہ رہے، بلکہ محبت، احترام، اتباع اور اعتدال کی صورت میں ہماری عملی زندگی کا حصہ بن جائے۔

اہلِ بیت کون ہیں؟

اہلِ بیتِ رسول ﷺ وہ مقدس ہستیاں ہیں جن سے محبت ایمان کا تقاضا، جن کی تعظیم شریعت کا حکم، اور جن کے حقوق کی رعایت اہلِ سنت والجماعت کا امتیاز ہے۔

اہلِ بیت میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن، سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہم، اور بنو ہاشم کے وہ افراد شامل ہیں جن پر زکوٰۃ حرام ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اہلِ بیت میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ آلِ علی، آلِ عباس، آلِ جعفر، آلِ عقیل، اور آلِ حارث بن عبد المطلب۔" (مجموع الفتاویٰ، ج35)

سیدنا عمر بن ابی سلمہ سے جب آیتِ تطہیر کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا ازواج رسول اہل بیت میں ہیں تو انہوں نے فرمایا: "ہاں۔" (مسند احمد: 16784)

ایک اشکال کا جواب:

حدیث کساء میں ازواج مطہرات کو چادر میں کیوں نہیں لیا گیا؟

جواب: اس لیے نہیں لیا گیا کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ ان کے غیر محرم چادر میں موجود تھے۔

اہل بیت کے فضائل و مناقب

اہلِ بیتِ رسول ﷺ وہ مبارک خانوادہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نبوت کے نور سے سرفراز فرمایا، طہارت و تقدس کی نعمت عطا کی، اور امتِ مسلمہ کے لیے محبت، تعظیم اور اتباع کا مرکز بنایا۔ قرآن و سنت کے متعدد مقامات پر ان کے مقام و فضیلت کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

1۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بیت کی طہارت کا اعلان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

"اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے اہلِ بیت! تم سے ہر قسم کی آلودگی دور کر دے اور تمہیں خوب پاکیزہ بنا دے۔" (سورۃ الأحزاب:33)

یہ آیت اہلِ بیت کے شرف، طہارت اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت کو نمایاں کرتی ہے۔

2۔ اہلِ بیت سے محبت کو اجرِ رسالت قرار دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾

"آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے اپنی دعوت پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، سوائے اس کے کہ قرابت والوں سے محبت کرو۔" (سورۃ الشوریٰ:23)

اہل سنت کے مفسرین نے اس آیت کے متعدد معانی

ذکر کیے ہیں۔ ان میں ایک معروف تفسیر یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے قرابت داروں، یعنی اہلِ بیت سے محبت کی ترغیب دی گئی ہے۔

(دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، تفسیر طبری)

3۔ آیتِ مباہلہ: اہلِ بیت کی عظمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ...﴾

"کہہ دیجیے: آؤ! ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں، تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو، تم اپنی عورتوں کو، اور ہم اپنے لوگوں کو، تم اپنے لوگوں کو، پھر مباہلہ کریں..."

(سورۃ آل عمران: 61)

اس آیت پر عمل کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ مباہلہ کے موقع پر حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ لے گئے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2404)

4۔ ازواجِ مطہرات کو اہلِ بیت ہونے کا شرف

اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ...﴾ پھر فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا...﴾ (سورۃ الأحزاب: 32–33)

یہ آیات کریمہ روز روشن کی طرح واضح ہیں کہ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن اہلِ بیت میں داخل ہیں، اور یہی جمہور اہلِ سنت کا موقف ہے۔

5۔ اہلِ بیت سے حسنِ سلوک کی وصیت

حضرت زید بن ارقمؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبۂ غدیر میں فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ، أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبَ، وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللهِ فِيهِ الْهُدَى وَالنُّورُ فَخُذُوا بِكِتَابِ اللهِ، وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ " فَحَثَّ عَلَى كِتَابِ اللهِ وَرَغَّبَ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ: «وَأَهْلُ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي»

(صحیح مسلم: 2408)

"اے لوگو! میں آدمی ہوں، قریب ہے کہ میرے رب کا بھیجا ہوا (موت کا فرشتہ) پیغام اجل لائے اور میں قبول کرلوں۔ میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ پہلے تو اللہ کی کتاب ہے اور اس میں ہدایت ہے اور نور ہے۔ تو اللہ کی کتاب کو تھامے رہو اور اس کو مضبوط پکڑے رہو۔ غرض کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی کتاب کی طرف رغبت دلائی۔ پھر فرمایا کہ دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ یاد دلاتا ہوں، تین بار فرمایا۔"

یہ حدیث اہلِ بیت کے حقوق کی حفاظت اور ان سے محبت کی عظیم تاکید پر دلالت کرتی ہے۔

6۔ حدیثِ کساء

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں:

نبی کریم ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر کے نیچے جمع فرمایا اور دعا کی:

«اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي»

"اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔"

پھر آیتِ تطہیر تلاوت فرمائی۔

(صحیح مسلم، حدیث: 2424)

یہ حدیث ان حضرات کی خصوصی فضیلت اور اہلِ بیت میں ان کے ممتاز مقام کی واضح دلیل ہے

7۔ سیدہ فاطمہ الزہراء کی عظمت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي، فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي»

"فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔" (صحیح البخاری: 3714، صحیح مسلم: 2449)

8۔ سیدنا علیؓ کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر فرمایا:

«لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ رَجُلًا يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ»

"میں کل یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔"

پھر آپ ﷺ نے وہ جھنڈا حضرت علیؓ کو عطا فرمایا۔

(صحیح البخاری: 3701، صحیح مسلم: 2406)

حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما

سیدا شبابِ اہلِ الجنۃ سیدنا حسن و حسین بن علی رضی اللہ عنہ وہ عظیم المرتبت صحابی ہیں جن کے وجود میں نبوت کی شفقت، علی المرتضیٰ کی شجاعت اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی جمع ہوگئی تھی۔

سیدنا حسن رسول اللہ ﷺ کے بڑے نواسے، اہلِ بیت کے گلِ حکمت، اور امت کے اتحاد کے لیے اپنی خلافت سے دستبردار ہونے والے عظیم مصلح تھے۔

اپ کی ولادت 15 رمضان، 3 ہجری جبکہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت شعبان 4 ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ نے خود نام 'حسن و حسین' رکھا، آپ کے کان میں اذان دی، ساتویں دن عقیقہ کیا اور آپ کے سر کے بال منڈوا کر ان کے وزن کے برابر

چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

(سنن ابی داود 2841، سنن ترمذی 1519 حسن)

1۔ جنتی نوجوانوں کے سردار

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

"حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔"

(سنن الترمذی: 3768، حسن صحیح)

2۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ، فَأَحِبَّهُ، وَأَحْبِبْ مَنْ يُحِبُّهُ»

"اے اللہ! میں حسن سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما، اور جو اس سے محبت کرے اس سے بھی محبت فرما۔"

(صحیح البخاری: 3749، صحیح مسلم: 2421)

3۔ امت میں صلح کرانے کی پیش گوئی

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسنؓ کو منبر پر اپنے ساتھ بٹھایا اور فرمایا:

«إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»

"میرا یہ بیٹا سردار ہے، اور اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔" (صحیح البخاری: 2704)

سن 41 ہجری میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے خون کو محفوظ رکھنے اور امت کے اتحاد کی خاطر اپنی خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں چھوڑ دی۔ اس سال کو "عام الجماعۃ" (اتحاد کا سال) کہا جاتا ہے۔ یوں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی۔ (صحیح بخاری 2704)

4- حسنین کریمین سے محبت کے نبوی مظاہر

اہلِ بیتِ اطہار میں حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما وہ خوش نصیب ہستیاں ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنی آنکھوں کا نور، دل کا سرور اور جنتی نوجوانوں کے سردار قرار دیا۔ ان سے محبت دراصل رسول اللہ ﷺ کی محبت کا تسلسل ہے، اور ان کے ساتھ تعلق ایمان کی خوشبو ہے۔

1۔ گود میں اٹھا کر محبت فرمانا

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ حضرت حسن بن علی کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے فرما رہے تھے:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ»

"اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما۔"

(صحیح البخاری: 3749)

یہ منظر اس بات کی دلیل ہے کہ اہلِ بیت سے محبت صرف قول نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا عملی طرزِ عمل ہے۔

2۔ سجدے میں نواسوں کی آمد اور نرمی

حضرت عبداللہ بن شداد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نماز میں سجدے میں تھے کہ حضرت حسن یا حسین رضی اللہ عنہما آپ کی پشت مبارک پر چڑھ گئے، صحابہ نے چاہا کہ انہیں ہٹا دیں، لیکن آپ ﷺ نے سجدہ طویل کر دیا، یہاں تک کہ بچہ خود نیچے آ گیا۔

نماز کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ ابْنِي ارْتَحَلَنِي فَكَرِهْتُ أَنْ أُعَجِّلَهُ»

"میرا بیٹا میری پشت پر آ گیا تھا، میں نے ناپسند کیا کہ جلدی کروں۔"

(مسند احمد: 16211، سنن نسائی: 1142 صحیح)

یہ واقعہ نبی ﷺ کی شفقت، رحمت اور بچوں سے محبت کا روشن مظہر ہے۔

3۔ منبر پر بٹھا کر اعلانِ محبت

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما سرخ لباس میں ملبوس آئے، گرتے کبھی اٹھتے تھے۔۔ تو آپ ﷺ منبر سے اتر کر ان کو اٹھایا، پھر فرمایا:

«إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ، فَرَأَيْتُ هَذَيْنِ فَلَمْ أَصْبِرْ»

"بے شک تمہارے مال اور اولاد آزمائش ہیں، میں نے ان دونوں کو دیکھا تو صبر نہ کر سکا۔"

(سنن الترمذی: 3774، صحیح)

یہ محبت جذباتی نہیں بلکہ نبوت کی شفقت سے لبریز تھی۔

4۔ یہ میرے دنیا کے پھول ہیں

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا»

"یہ دونوں (حسن و حسین) میرے دنیا کے دو خوشبودار پھول ہیں۔" (صحیح البخاری: 3753)

یہ تعبیر محبت، لطافت اور مقامِ نبوت کی بہترین تصویر ہے۔

5۔ جنتی نوجوانوں کے سردار

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

"حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔"

(سنن الترمذی: 3768 صحیح)

6۔ نبی ﷺ کا خصوصی تعلق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسن کو بوسہ دیتے تو اقرع

بن حابس نے تعجب کیا، آپ ﷺ نے فرمایا:
«مَنْ لَا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ»
”جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔“
(صحیح البخاری:5997)
یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ حسن و حسین سے محبت رحمتِ نبوی کی علامت ہے۔

7۔ رسول اللہ ﷺ کی دعائے محبت

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
«حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ، أَحَبَّ اللَّهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا»
”حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، اللہ اس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرے۔“
(سنن الترمذی:3775، حسن)

سیدنا حسن کی وفات:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات 50 ہجری (بعض روایات کے مطابق 49 یا 51 ہجری) میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کو جنت البقیع میں سپردِ خاک کیا گیا۔ (الطبقات الکبریٰ 5/31 سیر أعلام النبلاء 3/245)
حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی زندگی حلم، بردباری، سخاوت، عبادت، تقویٰ اور امت کی خیر خواہی کا روشن نمونہ ہے۔ آپ نے ثابت کیا کہ بعض اوقات تلوار سے بڑی فتح وہ ہوتی ہے جو حکمت، صبر اور اتحاد کے ذریعے حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو "سید" (سردار) قرار دیا، اور تاریخ نے آپ کو امت کے اتحاد کے معمار کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا۔

واقعہ کربلا

واقعۂ کربلا اسلامی تاریخ کا ایک نہایت دردناک اور سبق آموز سانحہ ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کے محبوب نواسے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے حق و عدل کے موقف پر استقامت اختیار کی اور عظیم قربانی پیش کی۔ اس واقعے کو سمجھنے کے لیے جذبات کے بجائے مستند تاریخی حقائق اور معتبر مصادر کو بنیاد بنانا ضروری ہے۔
10 محرم 61 ہجری کو کربلا کے میدان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ، ان کے اہلِ بیت اور چند جانثار ساتھیوں نے انتہائی صبر، شجاعت اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا۔
بالآخر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو شہید کر دیا گیا۔ آپ نے آخری لمحے تک حق، صبر، نماز اور دین کی عظمت کا پیغام قائم رکھا۔

صحابہ کرام اور اہل بیت کی آپس میں محبت اور رشتہ داریاں

جب ہم تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں تو ایک ایسا باغ نظر آتا ہے جس میں اہلِ بیتِ نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کی محبتیں ایک دوسرے سے اس طرح لپٹی ہیں جیسے خوشبو پھول سے جدا نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ حقائق ہیں جو نہ کسی فرقے کی میراث ہیں، نہ کسی مسلک کی جاگیر داری۔ یہ تاریخ کا وہ روشن چہرہ ہے جسے مستند کتبِ حدیث و تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اہلِ بیت سے محبت

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:
«ارْقُبُوا مُحَمَّدًا ﷺ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ»
”محمد ﷺ کا لحاظ ان کے اہلِ بیت کے بارے میں رکھو۔“ (صحیح بخاری:3713)
ایک اور موقع پر فرمایا:
”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا مجھے اپنے قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے زیادہ محبوب ہے۔“ (صحیح بخاری: 3712)
یہ الفاظ اس عظیم محبت کا عملی اعلان ہیں جو خلیفۂ اول کے دل میں اہلِ بیت کے لیے تھی۔

حضرت عمر فاروقؓ کی اہلِ بیت سے محبت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:
”اللہ کی قسم! آپ کا اسلام قبول کرنا میرے نزدیک میرے والد خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا، کیونکہ اس سے رسول اللہ ﷺ زیادہ خوش ہوئے تھے۔“ (مسند أحمد 1779)
قحط کے زمانے میں حضرت عمرؓ نے بارش کی دعا کے لیے حضرت عباسؓ کو وسیلۂ دعا بنایا اور فرمایا:
”اے اللہ! ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا کے ذریعے تجھ سے دعا کرتے ہیں۔“
(صحیح البخاری، 1010)
یہ حضرت عباسؓ کے مقام اور اہلِ بیت سے محبت کا روشن ثبوت ہے۔

حضرت عثمانؓ ذوالنورین کی محبت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اہلِ بیت کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اپنی خلافت میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو عزت و اکرام دیتے اور بیت المال سے ان کے حقوق ادا کرتے تھے۔
تاریخی کتب میں مذکور ہے کہ محاصرۂ عثمان کے دوران حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبد اللہ بن زبیر اور دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمانؓ کے گھر کی حفاظت کی کوشش کی۔
(البدایۃ والنہایۃ: 7/184)

حضرت معاویہؓ کا احترام

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا بے حد احترام کرتے، ان کی خدمت کرتے اور ان کے لیے بہترین عطیات مقرر کرتے تھے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ حضرت حسنؓ کی عظمت کے معترف تھے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے تھے۔ (سیر أعلام النبلاء 258/3)

اہلِ بیت کا صحابہ سے گہرا تعلق

اولادوں کے نام

یہ وہ آئینہ ہے جس میں دل کی حقیقی محبت نظر آتی ہے۔ انسان اپنے پیاروں کے نام اپنی اولاد کو دیتا ہے۔ اور اہلِ بیتِ نبویؐ نے یہی کیا۔

سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اپنے تین بیٹوں کے نام خلفائے راشدین کی محبت میں رکھے:

ابو بکر بن علیؓ۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی یاد میں

عمر بن علیؓ۔ سیدنا عمر فاروقؓ کی یاد میں

عثمان بن علیؓ۔ سیدنا عثمان غنیؓ کی یاد میں

امام ابن کثیرؒ البدایہ والنہایہ میں رقم طراز ہیں:

"سیدنا علیؓ نے اپنے تین بیٹوں کے نام خلفائے ثلاثہ کے ناموں پر رکھے۔ یہ ان کی دلی محبت کی واضح دلیل ہے۔"

یہ محبت نسل در نسل چلی۔ سیدنا حسنؓ کے بیٹوں میں بھی ابو بکر، عمر اور طلحہ کے نام رکھے گئے۔

اور سنیے۔ کربلا کے میدان میں ابو بکر بن علیؓ اور عمر بن علیؓ نے اپنے بھائی سیدنا حسینؓ کے ساتھ مل کر جامِ شہادت نوش کیا۔ یعنی صحابہ کے ناموں والے۔ اہلِ بیت کے خون میں رنگے ہوئے۔ کربلا کی زمین پر شہید ہوئے۔ (تاریخ الطبری 5 والبدایہ والنہایہ 8)

سیدنا علیؓ اور سیدنا ابو بکرؓ

سیدنا علیؓ نے ابو بکرؓ کے دورِ خلافت میں نہ صرف خوشی سے بیعت کی بلکہ جب قرآن کریم کی جمع و تدوین کا عظیم کام ہوا تو سیدنا علیؓ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! ابو بکرؓ نے وہ کام کیا جو اللہ کو سب سے زیادہ پسند تھا۔" (فضائل القرآن، امام ابن کثیرؒ)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تعلقات باہمی احترام، محبت اور اعتماد پر قائم تھے۔ اس کی ایک روشن مثال یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکر کی پرورش و تربیت بھی فرمائی۔ یہ واقعہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ صحابۂ کرام اور اہلِ بیت کے درمیان تعلقات محبت، مصاہرت اور حسنِ معاشرت پر مبنی تھے، نہ کہ وہ کشمکش جسے بعد کے ادوار میں بعض لوگوں نے پیش کرنے کی کوشش کی۔ (الطبقات الکبری، 282/8؛ الاستیعاب، 1786/4)

سیدنا علیؓ اور سیدنا عمرؓ

امیر المؤمنین فاروق اعظم جب بھی کسی مشکل مسئلے میں آتے تو سیدنا علیؓ سے رہنمائی لیتے۔

ان کا مشہور زمانہ قول ہے:

"لَولا عليٌّ لَهلک عمر"

"اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان محبت و اعتماد کا ایک روشن ثبوت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا۔ اس رشتۂ مصاہرت نے واضح کر دیا کہ صحابۂ کرام اور اہلِ بیت کے تعلقات باہمی احترام، اعتماد اور محبت پر قائم تھے۔

(الطبقات الکبری: 338/8 ؛ السنن الکبری: 63/7)

اس نکاح سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں دو اولاد بھی ہوئیں:

زید بن عمر — رقیہ بنت عمر

غور فرمائیں! جب نبی ﷺ کی نواسی کسی کے گھر جائے۔ تو وہ گھر کتنا معزز ہو گا؟ اور جو باپ اپنی بیٹی کسی کو دے۔ کیا وہ اس سے محبت کے بغیر ایسا کر سکتا ہے؟

سیدنا علیؓ اور سیدنا عثمانؓ

حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما دونوں جلیل القدر صحابی اور رسول اللہ ﷺ کے داماد ہونے کے عظیم شرف سے سرفراز تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے شوہر ہیں، جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یکے بعد دیگرے رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما سے نکاح کا اعزاز حاصل ہوا، اسی وجہ سے آپ کو 'ذوالنورین' کہا جاتا ہے۔

جب سیدنا عثمانؓ کو باغیوں نے گھیر لیا اور مدینہ کی فضا خوف سے بھر گئی۔ تو سیدنا علیؓ نے اپنے نورِ نظر حسنؓ اور حسینؓ کو تلوار تھما کر ان کی حفاظت پر مامور کیا۔

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

"علیؓ نے اپنے بیٹوں کو تلوار دے کر عثمانؓ کے دروازے پر کھڑا کیا اور فرمایا: جب تک میں نہ کہوں، دروازہ نہ کھولنا۔"

ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

"محاصرہ کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کی حفاظت کے لیے بھیجا، اور وہ ان کا دفاع کر رہے تھے۔" (البدایہ والنہایہ 184/7)

نبی ﷺ کے نواسے۔ خلیفۂ سوم کے محافظ۔ یہ منظر کیا بتاتا ہے؟ یہ بتاتا ہے کہ اہلِ بیت اور صحابہ ایک ہی خاندان کی شاخیں تھے۔

سیدنا عثمانؓ کو ذوالنورین کا شرف

اللہ نے سیدنا عثمانؓ کو وہ شرف بخشا جو پوری انسانی

تاریخ میں کسی اور کو نصیب نہ ہوا۔ نبی ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں:

پہلے سیدہ رقیہؓ۔ وفات کے بعد

پھر سیدہ ام کلثومؓ۔

"ذوالنورین" — دو نوروں والا۔ یہ لقب کسی بادشاہ نے نہیں، خاندانِ نبوت کے دو چراغوں نے عطا کیا۔

سیدہ عائشہؓ بنت ابو بکرؓ

سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی لختِ جگر سیدہ عائشہ صدیقہؓ۔ جنہیں نبی ﷺ نے 'حمیراء' کے پیارے نام سے پکارا۔ ام المؤمنین بنیں۔

جس باپ کی بیٹی نبی ﷺ کی سب سے محبوب زوجہ ہو، جس کے حجرے میں نبی ﷺ نے وفات پائی۔ کیا وہ باپ نبی ﷺ کا دشمن ہو سکتا ہے؟

سیدہ حفصہؓ بنت عمرؓ

سیدنا عمر فاروقؓ کی صاحبزادی سیدہ حفصہؓ۔ جن کے بارے میں حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو بشارت دی:

«فإنها صوَّامةٌ قوَّامةٌ وإنها زوجتُك في الجنَّةِ»

"حفصہ بہت روزے رکھنے والی اور راتوں کو قیام کرنے والی ہیں اور وہ جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہوں گی۔"(السلسلۃ الصحیحۃ:5/17)

سیدہ حفصہؓ کا وہ عظیم کارنامہ جو قیامت تک امت کے لیے روشنی ہے:

سیدنا ابو بکرؓ کے حکم پر جمع کیا گیا قرآن کریم کا پہلا مکمل نسخہ انہی کی تحویل میں دیا گیا

سیدنا عثمانؓ نے جب قرآن کی سرکاری نقلیں تیار کرائیں تو سیدہ حفصہؓ کے نسخے کو اصل قرار دیا

آج ہم جو قرآن پڑھتے ہیں۔ وہ عمرؓ کی بیٹی کے نسخے سے ماخوذ ہے۔ یہ اللہ کا وہ انتخاب تھا جو بتاتا ہے کہ عمرؓ کا گھرانہ کتنا بابرکت تھا۔

چاروں خلفائے راشدین نبی ﷺ کے سگے رشتہ دار تھے۔ ابو بکرؓ اور عمرؓ سسر تھے، عثمانؓ اور علیؓ داماد تھے۔ یعنی یہ چاروں ایک ہی خاندان کی طرح باہم جڑے ہوئے تھے۔

امام زین العابدینؒ کا قول

سیدنا حسینؓ کے فرزند، سجدوں کے امام۔ حضرت علی بن حسین زین العابدینؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک ابو بکرؓ اور عمرؓ کا کیا مقام ہے؟

انہوں نے فرمایا:

"وہ دونوں میرے نانا (نبی ﷺ) کے وزیر اور ان کے معتمد تھے۔ اللہ ان پر رحمت فرمائے۔"

(تاریخ دمشق، امام ابن عساکرؒ)

نبی کریم ﷺ کے پڑنواسے کی زبان سے یہ الفاظ۔ کیا اس سے بڑی کوئی دلیل ہو سکتی ہے؟

امام جعفر صادقؒ کا فرمان

اہل بیت کے جلیل القدر امام۔ حضرت جعفر بن محمد الصادقؒ۔ جنہیں شیعہ اور سنی دونوں بھرپور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا:

"جو شخص ابو بکرؓ اور عمرؓ سے بغض رکھے، میں اس سے بری ہوں۔"(تاریخ دمشق، سیر اعلام النبلاء)

یہ وہ فرمان ہے جو امتِ مسلمہ کے ہر فرد کے لیے مشعل راہ ہے۔ خواہ وہ کسی بھی مکتبِ فکر سے ہو۔

صلح امام حسنؓ

نبی ﷺ نے پہلے ہی فرما دیا تھا:

«إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»

"یہ میرا بیٹا سردار ہے، شاید اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کروائے۔"

(صحیح بخاری:2704)

41 ہجری میں سیدنا حسنؓ نے وہ کیا جو نبی ﷺ نے بشارت دے دی تھی۔ اقتدار چھوڑا، امت بچائی، خانہ جنگی کا دروازہ بند کیا۔

یہ صحابہ سے دشمنی نہیں۔ امت سے محبت تھی۔ یہ وہ عظمت ہے جو تاج و تخت سے نہیں، دلِ بزرگ سے ملتی ہے۔

اہل بیت نے صحابہ کو دل میں بسایا، صحابہ نے اہلِ بیت کو آنکھوں پر بٹھایا، اور دونوں نے مل کر اسلام کی عمارت کو تھاما۔

یہ وہ خاندانِ نبوت تھا جس کی شاخیں ایک دوسرے میں پیوست تھیں۔ ان کے گھروں میں ایک دوسرے کی اولاد تھی، ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت تھی، اور ان کی تاریخ میں ایک دوسرے کا گہرا احترام تھا۔

جو آج ان کے درمیان نفرت کی آگ بھڑکائے۔ وہ جانے یا انجانے میں دشمنانِ اسلام کا کام کر رہا ہے۔

سلف کا اعتدال:

محبت بھی۔ غلو سے بچنا بھی! ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "جو شخص اہلِ بیت سے بھی محبت رکھے اور صحابہ کا بھی احترام کرے وہی حقیقی اہلِ سنت ہے۔"

اہل بیتِ اطہار کی محبت کے تقاضے

اہل بیتِ رسول ﷺ سے محبت محض ایک جذباتی وابستگی کا نام نہیں، بلکہ یہ ایمان کا تقاضا، سنتِ نبوی کا حکم، اور اہلِ سنت والجماعت کے عقیدے کا روشن باب ہے۔ یہ محبت اسی وقت معتبر اور مقبول ہے جب وہ قرآن و سنت کے مطابق، اعتدال کے ساتھ، غلو اور جفا دونوں سے پاک ہو۔

اہل بیت سے سچی محبت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾

"آپ کہہ دیجیے! میں تم سے اس دعوت پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، سوائے قرابت والوں سے محبت کے۔"(سورۃ الشوری:23)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُذَكِّرُكُمُ اللَّهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي» (تین مرتبہ)

"میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا (اور ان کے حقوق یاد دلاتا) ہوں۔" (صحیح مسلم:2408)

یہ محبت محض زبان سے نہیں بلکہ دل، عمل اور احترام سے ظاہر ہونی چاہیے۔

ان کے حقوق اور مقام کا اعتراف

اہلِ بیت کو وہی مقام دیا جائے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے عطا فرمایا ہے، نہ ان کی شان میں کمی کی جائے اور نہ غلو کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (سورۃ الأحزاب:33)

ان کی سیرت کو اپنانا

اہلِ بیت کی محبت کا مطلب صرف ذکرِ فضائل نہیں بلکہ ان کے اخلاق، عبادت، صبر، تقویٰ، حلم، سخاوت اور حق پر استقامت کو اپنی زندگی میں اختیار کرنا ہے۔

حضرت علیؓ عدل و شجاعت کے پیکر تھے۔

حضرت فاطمہؓ حیا، عبادت اور قناعت کی مثال تھیں۔

حضرت حسنؓ نے امت کے اتحاد کے لیے اپنی خلافت چھوڑ دی۔ حضرت حسینؓ نے حق پر استقامت اور صبر کی بے مثال مثال قائم کی۔

صحابۂ کرام سے بھی محبت

اہلِ بیت کی محبت کبھی صحابۂ کرام کی دشمنی نہیں سکھاتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا﴾ (سورۃ الحشر:10)

حضرت علی رضی اللہ عنہ خود حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا احترام کرتے تھے، اور اہلِ بیت کے ائمہ نے بھی صحابہ کے احترام کی تعلیم دی۔

ان کے بارے میں غلو سے اجتناب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ» (صحیح البخاری:3445)

"میری اس طرح حد سے بڑھ کر تعریف نہ کرو جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کی کی۔"

جب نبی ﷺ کے بارے میں غلو منع ہے تو اہلِ بیت کے بارے میں بھی غلو درست نہیں۔

اہلِ بیت کی محبت ایمان کی زینت ہے، لیکن یہ محبت اسی وقت کامل ہوتی ہے جب وہ اتباعِ سنت، احترامِ صحابہ، محبتِ اہلِ بیت، عدل، اعتدال اور تقویٰ کے ساتھ ہو۔ یہی اہلِ سنت والجماعت کا منہج ہے، اور یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر امت اپنی وحدت، عزت اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتی ہے۔

اللّٰهُمَّ إنا نسألك حبَّ نبيك ﷺ، وحبَّ أهل بيته الأطهار، وحبَّ أصحابه الأخيار، واجمعنا بهم في الفردوس الأعلى.

آمین۔

ہیں بہت سے شمر تو آج بھی پہ
حسین ابن علی نہیں !

مرے ذوالجلال، مرے خدا مرے دادرس، مرے کبریا
تجھے اپنی شان کا واسطہ کہ تو بخش دے مری ہر خطا
ترے شوق ہی میں جو مر مٹا، تری راہ میں جو فنا ہوا
وہ شہید راہِ وفا بنا ، اسے مل گئی ابدی بقا
کوئی ہوش کھو گیا طور پر ، کوئی وار ہی پہ جو چڑھ گیا
تری ہر ادا ہے وہ دل رُبا، تری ہر جھلک ہے وہ دل کشا
مرے آشیاں کا تو ذکر کیا کہ چمن ہی سارا اجڑ گیا
وہ کبھی کی نذر خزاں ہوئی مجھے جس بہار پہ ناز تھا
نہ کوئی سنے مری داستاں ، نہ کوئی پڑھے مرا ماجرا
مری داستاں ہے الم فزا، مرا ماجرا سو وہ دکھ بھرا
شب و روز تو مجھے یاد آ ، ترا ذکر ہو مرا مشغلہ
نہیں اور کوئی ترے سوا مرا آسرا مرا مدعا
یہ عجیب رنگ نصیب ہے کہ قدم قدم پہ صلیب ہے
اسے ابتلا ہی ہے ابتلا جو خدا کی راہ پہ چل پڑا
تری بارگاہ جلال میں ، تری جلوہ گاہ جمال میں
جو نہ محوِ سجدۂ شوق ہو ، وہ بھلا جبین نیاز کیا
میں ہوں تیرا بندۂ ناتواں، نہ تو مرا محافظ و مہرباں
مجھے پھر ملے گی اماں کہاں، ترے در سے میں اگر اُٹھ گیا
ہیں بہت سے شمر تو آج بھی پہ حسین ابن علیؓ نہیں
وہی اب بھی رنگ فرات ہے، وہی اب بھی وادیٔ کربلا
ہو مری نگاہ میں تو ہی تو ، ہو سدا مجھے تری جستجو
ہے یہی فقط مری آرزو ، ہے یہی فقط مری التجا
تو ابو البیاں کو نواز دے، اسے درد و سوز و گداز دے
تو غنی ہے اور وہ فقیر ہے، تو ہے بے نیاز، وہ بے نوا

حضرت ابو البیان حماد العمری رحمہ اللہ

☆☆☆

ندامت توبہ ہے؟

کہا: ہاں۔ جب تُو اپنے آپ سے بیٹھ کر یہ کہتا ہے: "میں اپنے رب کا سامنا کیسے کروں گا؟ میں اُسے کیا کہوں گا ان کاموں کے بارے میں جو میں نے کیے؟ ہائے افسوس! کاش میں نے یہ نہ کیا ہوتا!"

تو تیرے دل میں جو یہ جلن اور تڑپ ہے۔ یہی توبہ ہے!

سلف میں سے کسی نے گناہوں میں حد سے تجاوز کیا، پھر ایک دن کھڑا ہو کر کہا: "اے اللہ! کیا تیری رحمت کے خزانے ختم ہو گئے ہیں کہ میرے جیسے کو معاف کرنا آپ پر بھاری ہو گیا ہے؟ اے اللہ! مجھے بخش دے!" پھر وہ سو گیا اور نیند میں کسی نے اس سے کہا: "اللہ نے تجھے بخش دیا۔"

☆☆☆

درس قرآن

سورۃ المدثر ایک مختصر تعارف

مولانا محمد عبدالحفیظ اسلامی

سورہ کا نام اس کی پہلی آیت کریمہ يَأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ سے ماخوذ ہے۔ مذکورہ سورت میں 56 آیات کریمہ اور دو رکوع آئے ہیں۔ علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ البتہ یہ مکمل سورت ایک وقت میں نازل نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول برحق کے قلب اطہر پر اس کی آیات کو حسب ضرورت اتارا ہے۔

یہ مشہور سورت حضرت محمد ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد ابتدائی عرصہ میں نازل شدہ سورت ہے؛ لیکن قبل ازیں آپ ﷺ کے پاکیزہ قلب پر (سورۃ اقراء) ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ... مَالَمْ يَعْلَمْ﴾ تک آیات نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے بعد ایک مدت تک آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔ وحی کے نزول کا بند ہو جانا آپؐ کے لئے شدید غم کی کیفیت کا زمانہ رہا ہے بعض اوقات آپؐ اضطراب کی حالت میں پہاڑیوں کی چوٹیوں پر چڑھ جاتے۔ ایسے موقع پر جبرئیل امین علیہ السلام آپ کے سامنے ہوتے اور کہتے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ اس طرح آپ کے قلب مبارک کو سکون حاصل ہو جاتا تھا۔

امام زہری، حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ

"رسول اللہ ﷺ نے فترۃ الوحی (وحی بند رہنے کے زمانے) کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا۔"

ایک روز میں راستے سے گزر رہا تھا۔ یکایک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ سر اُٹھایا تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا۔ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، میں یہ دیکھکر سخت دہشت زدہ ہو گیا اور گھر پہنچ کر میں نے کہا، مجھے اڑھاؤ، مجھے اڑھاؤ۔ چنانچہ گھر والوں نے مجھ پر لحاف (کمبل) اڑھا دیا۔ اس وقت اللہ نے وحی نازل کی يَأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ... پھر لگاتار، مجھ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

چنانچہ ابتداء میں مذکورہ سورت کی سات 7 آیات نازل ہوئی پھر 8 ویں آیات کریمہ سے اس کا دوسرا سلسلہ شروع ہوتا ہے، یعنی اسکے بعد نبی کریم ﷺ کی دعوت و تبلیغ علانیہ شروع ہو جاتی ہے اور ایسے میں پہلی مرتبہ حج کے موقع پر باہر سے آنے والے لوگوں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کا بہترین وقت آ جاتا ہے، یہ بات ہمارے ذہن نشین رہے کہ نبی محترم ﷺ کے قلب مبارک پر سورہ علق کی سب سے پہلی جو آیات کریمہ نازل ہوئی ہے۔ یہ نزول وحی کا پہلا واقعہ تھا۔ اس میں ابتدائی تعارف کروا کر آپؐ کو کچھ دن کیلئے چھوڑ دیا گیا، تاکہ آپ ﷺ کی طبیعت مبارک پر جو سخت اثر (بار) وحی کے اُترنے کا پڑا ہے، یہ ختم ہو جائے تاکہ آئندہ کلام الٰہی (جو بذریعہ وحی نازل ہو گا اسے) وصول کرنے اور نبوت کے فرائض سنبھالنے کے لئے آپ ﷺ تیار ہو جائیں۔

محترم قارئین!

اس سورۃ "مدثر" کے سلسلہ میں چند تمہیدی الفاظ کو تحریر کرنے کے بعد اب ہم آگے اصل مضامین کی طرف چلتے ہیں، تاکہ اس سورہ کا ایک مختصر و جامع تعارف ہمارے سامنے آ جائے! اس کی ابتدائی 7 آیات میں پہلی مرتبہ آپ ﷺ کو حکم عطا ہوتا ہے کہ اے چادر لپیٹنے والے، آپ ﷺ اٹھیں اور (لوگوں کو) ڈرائیں کہ وہ جس روش پر چل رہے ہیں، اسکا کیا کچھ انجام ہو گا۔۔۔!

حضرت علامہ پیر کرم شاہؒ لکھتے ہیں کہ

" يَأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ کے محبت بھرے خطاب کے بعد پہلا حکم یہ دیا کہ اٹھیے! کاہلی و بے پرواہی سے نہیں پکے عزم اور پوری سنجیدگی کے ساتھ اٹھئے۔ آپکے گرد و پیش بسنے والی مخلوق غفلت کی نیند سوئی پڑی ہے، اسے خبردار کر دیجئے کہ آنکھیں کھولو، اپنی روش بدلو، ورنہ عذابِ الٰہی نازل ہونے ہی والا ہے۔ اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو اس عذاب سے بچنے کا راستہ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔ وقت ضائع کئے بغیر اس پر گامزن ہو جاؤ۔" (ضیاء القرآن)

دوسری چیز یہ کہ اب دنیا میں غیر خدا کی بڑائی کے جو چرچے ہیں اس کے مقابل حقیقی خدا پرستی کی بڑائی کا اعلان کر دیجئے اور اپنے لباس کو پاک و صاف (نبی کے شایانِ شان) رکھیئے یعنی

" آپ کو نبوت کے منصب رفیع پر فائز کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی کبریائی کے اعلان کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ آپ کے رب کا جمال اس بات کو گوارہ نہیں کر سکتا کہ آپ میلے کچیلے ہوں یا آپ کے کپڑے گندے یا ناپاک ہوں۔ جس طرح آپکی زندگی کا مقصد مقدس ہے اسی طرح آپ کا لباس بھی اجلا صاف اور پاک ہونا چاہیے، اس کا دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اپنے اخلاق کو بھی پاک رکھئے، اپنے دامنِ عصمت پر کسی قسم کا کوئی دھبہ لگنے نہ پائے، دشمنان حق کو انگشت نمائی کا کوئی موقع نہ دیجئے کہ ان کے اعتراضات طالبان حق کے لئے رکاوٹ نہ بن جائیں۔" (اقتباس ض ق)

خلاصہ یہ کہ گرد و پیش میں طرح طرح کی گندگیاں موجود ہیں ان سے (حسب سابق) آپ دور رہیں،

اپنا دامن ان سے بچائے رکھیں۔ مطلب یہ کہ نبی کی بعثت کا مقصد بہت ہی اعلیٰ وبلند اور مقدس ہے، اسی مناسبت سے دین حق کو پیش کرنے والی عظیم ہستی کی زندگی ہر طرح سے نفیس اور پاکیزہ ہونی چاہیے، کیونکہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ، بندگی رب کا سچا و اعلیٰ ترین اور آخری نمونہ ہے!!!۔

اور مزید یہ بھی فرمایا کہ

﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾(آیت5) اور بتوں سے (حسب سابق) دور رہئے:

یعنی عقیدہ اور عمل کی ہر ظاہری وباطنی قباحت سے حسب سابق احتراز کرنے کی تاکید ہو رہی ہے، مولانا محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ

”ائمہ تفسیر مجاہد، عکرمہ، قتادہ، زہری، ابن زید وغیرہ نے اس جگہ 'رجز' کے معنی بتوں کے قرار دئے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں اس سے مراد ہر گناہ اور معصیت منقول ہے۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ بتوں کو یا گناہ معصیت کو چھوڑیئے۔ رسول اللہ ﷺ تو پہلے ہی سب کو چھوڑے ہوئے تھے آپ کو اس کا حکم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آئندہ بھی ان چیزوں سے دور رہیں اور درحقیقت یہ حکم امت کے لئے تعلیم ہے جو غائت درجہ تاکید کے لئے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرکے دیا گیا ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ جب پیغمبر معصوم کو بھی اسکا حکم ہے تو ہمیں اس کا کیسا اہتمام کرنا چاہیے۔“

سید قطب شہیدؒ لکھتے ہیں کہ

”آپ ﷺ نے اس حکم سے پہلے (ہی) اپنی فطرت سلیمہ کے تقاضے کے مطابق ان برائیوں کو ترک کر دیا تھا، نظریاتی، اخلاقی، رواجی اور عملی جاہلیت سے آپ پہلے سے مجتنب تھے۔“

امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ اس کا مطلب یہ لکھتے ہیں کہ

”آپ ﷺ کے گردوپیش سارے معاشرے میں طرح طرح کی جو گندگیاں پھیلی ہوئی ہیں ان سب سے اپنا دامن بچا کر رکھو۔“

مولانا مودودی صاحب نے اس کی تشریح فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ

”اور گندگی سے دور رہو، گندگی سے مراد ہر قسم کی گندگی ہے خواہ وہ عقائد اور خیالات کی ہو، یا اخلاق واعمال کی، یا جسم و لباس اور رہن سہن کی مطلب یہ ہے کہ.. معاشرے میں طرح طرح کی جو گندگیاں پھیلی ہوئی ہیں ان سب سے اپنا دامن بچا کر رکھو۔“

علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب مختصر و جامع تحریر فرماتے ہیں کہ

”کیونکہ ایک مبلغ کا کلام، اسوقت تک موثر نہیں ہوسکتا جب تک وہ خود ان برائیوں سے منزہ ومبرہ نہ ہو۔ فرمادیا وہ تمام گناہ جو اللہ تعالی کی ناراضگی اور عذاب کا باعث بنتے ہیں، جن میں سب سے بڑا گناہ بتوں کی پرستش ہے، ان سے کنارہ کش رہیے ورنہ لوگ آپ پر زبان طعن دراز کریں گے اور تبلیغ کی کوششیں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوں گی۔“(اقتباس)

آیت 6 میں ایک اور اہم تعلیم یہ دی گئی کہ آپ ﷺ دنیوی فائدہ کو خاطر میں لائے بغیر اخلاص کے ساتھ خلق خدا کی اصلاح کا کام کیجئے یعنی نبوت کا جو کام آپ کر رہے ہیں، یہ اپنی جگہ ایک بہت بڑا احسان ہے کہ آپ کے ذریعہ سے لوگوں کو ایمان کی دولت اور ہدایت کا سامان فراہم ہو رہا ہے، مگر آپ اس کا احسان لوگوں پر مت رکھئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ احسان جس پر بھی کیجئے بے غرضانہ کیجئے۔ آپ ﷺ کی عطا اور بخششیں، سخاوت حسن سلوک یہ محض اللہ کے لئے ہو، آپ کا رب خود آپ کو اس کا اجر عظیم اور اجر غیر ممنون عطا فرمائے گا۔ پھر آگے آیت 7 میں ایک اہم بات کی تعلیم دی جا رہی ہے جو داعی حق کیلئے بے حد ضروری ہے۔۔۔ فرمایا رسالت کے فرض کی انجام دہی میں جو کچھ بھی مشکلات اور مصائب درپیش ہوں گی اسے محض اپنے رب کی رضا کی خاطر صبر کے ساتھ برداشت کیجئے۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں جو فرمان باری تعالیٰ نازل ہوا، اس کے عین مطابق نبی ﷺ نے اس پر کامل عمل فرماتے ہوئے لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت حق، صبر کے ساتھ پیش فرمائی اور آپ ﷺ پر پے در پے نازل ہونے والی قرآنی آیات کو لوگوں تک پہنچانے کا کام جاری رکھا۔ اس کے ردعمل کے طور پر مشرکین مکہ کے اندر کھلبلی مچ گئی اور اتنے میں حج کا زمانہ آتا ہے، نبی ﷺ کی دعوت کا انکار کرنے والوں میں یہ تشویش پیدا ہوگئی کہ اب کیا کریں، کیونکہ سارے عرب سے حاجیوں کے گروہ آئیں گے اور محمد ﷺ حاجیوں کی قیام گاہوں تک پہنچیں گے اور آنے والوں سے ملاقاتیں کریں گے اور قرآن جیسا کلام سنائیں گے، تو عرب میں ہر گوشے تک انکی دعوت پہنچ جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

اسی خیال کے تحت سرداران قریش نے ایک مجلس اپنے اہم ترین مشاورتی مرکز (دارالندوہ) میں بلائی اور اس میٹنگ میں ائمۂ کفر کے درمیان یہ بات طے ہوئی کہ آنے والے حج کے موقع پر حجاج کے آتے ہی محمد (ﷺ) کے خلاف پروپگنڈہ شروع کر دیا جائے۔ پھر ایک منصوبے کے مطابق حج کے زمانے میں قریش کے وفود حاجیوں کے درمیان پھیل گئے اور اُنھوں نے آنے والے زائرین کو خبردار کرنا شروع کر دیا کہ یہاں ایک ایسا شخص اُٹھ کھڑا ہے جو بڑا جادوگر ہے اور اس کا جادو خاندانوں میں تفریق ڈال دیتا ہے۔ اس سے ہوشیار رہنا!

خدا کا کرنا دیکھئے کہ اس مکروہ عمل کا جو نتیجہ برآمد ہوا، وہ یہ تھا کہ خود قریش والوں نے داعی اعظم محمد ﷺ کا نام سارے عرب میں مشہور کر دیا۔ مندرجہ بالا واقعات کا مطالعہ ہمارے لئے آگے کی آیات کو سمجھنے میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ اس سورت کا دوسرا حصہ

یعنی آیات کریمہ 8 تا سورت کے ختم تک اسی بات پر حسب ضرورت بھرپور بیان کیا گیا جس کا خلاصہ مختصر طور پر درج ذیل تحریر کیا جاتا ہے۔

آیت کریمہ 8 تا 10 میں حق کا انکار کرنے والوں کو یہ خبر پہنچائی گئی کہ آج تم لوگ جو کچھ دعوت اسلامی کے خلاف کررہے ہو، اس کا بُرا انجام روز قیامت دیکھ کر رہو گے۔

آیت مبارکہ 11 تا 25 تک میں اللہ تعالیٰ نے ایک منکرِ حق (ولید بن مغیرہ، دور جاہلیت میں قریش کے سردار، قبیلہ بنو مخزوم کا رئیس اور عرب کے انتہائی مالدار اور بااثر ترین لوگوں میں سے ایک تھا۔ وہ اسلام کا شدید ترین دشمن، رسول اللہ ﷺ کا مخالف تھا) کے رویہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا، جو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے مالا مال تھا مگر اس نے حق کے دشمنوں کا ساتھ دیا۔ حالانکہ وہ محمد ﷺ اور قرآن کی صداقت کا قائل ہوچکا تھا مگر محض اس نے اپنی چودھراہٹ اور وجاہت کو خطرہ سمجھتے ہوئے حق کا ساتھ دینے سے رہ گیا۔ اگرچہ کہ اس کا اپنا ضمیر اسے ملامت کررہا تھا۔ ضمیر سے لڑ جھگڑ کر آخرکار وہ یہ بات بناکر لایا کہ لوگوں کو دعوت اسلام و نبیؑ سے دور کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ محمد (ﷺ) کے متعلق یہ (جھوٹ) بولا جائے کہ ﴿إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ﴾ یہ جادو ہے اس کتاب کا لانے والا جادوگر ہے اور قرآن کے بارے میں کہتا کہ ﴿إلا قول البشر﴾ (آیت 25) یہ تو ایک انسانی کلام ہے! اسکے لئے اللہ تعالیٰ آیت 26 میں فرماتے ہیں:

﴿سَأُصْلِيهِ سَقَرَ﴾، اس طرح کا تکبر اور جھوٹ پر اپنی زبان کھولنے والے کے لئے سخت عذاب میں جھونکا جانا ہے، یعنی میں عنقریب اس کو سقر میں داخل کروں گا۔

پھر آگے آیات 27، 28، 29، 30 میں نبی ﷺ سے بظاہر خطاب ہے، لیکن اصل اسکے مخاطب منکرین حق ہیں، جس میں ان کے لئے سخت قسم کا ڈراوا ہے، چنانچہ فرمایا کہ

"آپ ﷺ جانتے ہیں کہ وہ سقر کیا ہے؟ (وہ) کچھ باقی رکھے گی نہ کچھ چھوڑے گی۔"

مولانا محمد عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس کی توضیح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"وہ آگ جلاکر خاکستر کردے گی مگر پھر بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑے گی۔ اس پر نئی نئی تازہ کھال پیدا ہوتی رہے گی اور آگ اسے جلاتی رہے گی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہی عمل جاری رہے گا، جس کا ذکر سورہ نساء کی آیت 56 میں ہوا۔" (مطالب قرآن حکیم مع سہل ترجمہ)

اور مزید فرمایا:

" جلاکر بدن کو خاکستر کردے گی، (ہیت بگاڑ دے گی) ان پر 19 اُنیس پہرہ دار ہیں۔ یہ بات بھی بتلائی گئی کہ کس طرح کے لوگ اس میں داخل کئے جائیں گے اور کون سے اعمال انسان کو دوزخ کا مستحق بناتے ہیں۔ آگے یہ بھی واضح کردیا گیا کہ، دوزخ سے لوگوں کو اچھی طرح ڈرایا جاچکا ہے۔

اب جس کا جی چاہے اس سے ڈر کر بھلائی کے راستے پر آگے بڑھے اور جس کا جی چاہے پیچھے ہٹ جائے مگر خوب یاد رکھنا، ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں رہن ہے یعنی "رہن کا استعارہ بہت معنی خیز ہے۔ ایک شخص اگر کسی سے کچھ قرض لے اور قرض دینے والا اپنے حق کی ادائیگی کے لئے ضمانت کے طور پر اس کی کوئی چیز اپنے پاس رہن رکھ لے تو جب تک وہ قرض ادا نہ کردے اس وقت تک فک رہن نہیں ہوسکتا، اگر مدت مقررہ گزر جانے پر بھی وہ فکِ رہن نہ کرائے تو شئے مرہونہ ضبط ہوجاتی ہے۔ انسان اور خدا کے درمیان معاملہ کی نوعیت کو یہاں تشبیہ دی گئی ہے"۔ (مستفادت ق) جنت والوں کا ذکر بھی ہوا کہ وہ بہشت کے باغوں میں (خُوش وخُرم) ہوں گے!

آگے آیات میں کفار کے حقیقی مرض کی یوں نشاندہی کی گئی کہ یہ آخرت سے نڈر ہوگے۔۔۔ آگے کل 8 آیات کریمہ 40 تا 47 میں اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان کے مکالموں کا نقشہ یوں پیش کیا گیا کہ

"جنتی لوگ جہنم میں رہنے والے مجرمین سے پوچھیں گے کہ

تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور نہ ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے (ایک بڑا جرم) ہم اہل باطل کے ساتھ مل کر حق سے انکار کرتے تھے یعنی، بیہودہ فکر والوں کے ساتھ بیہودہ باتیں ہم بھی سوچتے تھے اورانصاف کے دن کو جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ (اسی مذموم وقبیح حالت میں) موت آگئی اور جہنم میں داخل ہوگئے۔

اس طرح ان کے چار 4 بڑے بڑے جرم گنوائے گئے۔ اور انکے لئے دوزخ سے چھٹکارا دلانے والی سفارش کی بھی نفی فرمادی گئی، یعنی جو صفات مذکورہ کا حامل ہوگا، اسے کسی کی شفاعت بھی فائدہ نہیں پہنچائے گی، کیونکہ سفارش کے مستحق تو وہ ہوتے ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اورایمان کی وجہ سے ہی یہ شفاعت کے قابل ہوں گے۔ (انکا یہ اخروی خسارہ) اسوجہ سے ہوگا کہ انہوں نے دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ قرآنی تذکیر ونصیحت سے اس طرح Fleeing from Guidance بھاگتے ہیں جیسے شیر سے ڈر کر جنگلی گدھے Wild ass بدحواس Demented ہوکر بھاگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ ایمان کی راہ پر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھاپاتے۔۔۔۔

آیت 51 میں منکرین قرآن کی حیلہ بازیوں کا ذکر ہوا کہ

"ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ ان کو موسومہ

Divine scriptures کھلا ہوا آسمانی صحیفہ دیا جائے۔" (جس میں لکھا ہو کہ محمد ﷺ ہی اللہ کے پیغمبر ہیں ان کی پیروی کی جائے) جواب میں فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا؛ انکی یہ باتیں دراصل آخرت سے بالکل بے خوفی کی وجہ سے ہے۔ ان کا یہ مطالبہ ہرگز پورا نہیں ہو سکتا، اور صاف کہ دیا گیا کہ یہ تو بلا شبہ ایک نصیحت ہے! یعنی سورہ کے ختم پر قرآن کا واضح اور دوٹوک انداز میں تعارف پیش کیا گیا کہ اس کے نزول کا مقصد ہر ایک کے لئے تذکیر، نصیحت اور آگاہی/Advice Guidance ہے۔

اب جس کا جی چاہے وہ اپنے لئے سلامتی والا سیدھا راستہ منتخب کرلے۔

آخر میں یہ ایک اہم بات نوع انسانی کو یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کے بارے میں غلط فہمی کا وہ شکار نہ ہوں۔ کیونکہ قرآن کریم تو پند ونصیحت ہے۔ یہ غافلوں کو خبردار کرنے کے لئے نازل ہوا ہے۔ ڈنڈے کے زور سے "By force" کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا Absolutely not اسکا ہرگز مقصد نہیں۔ ہاں حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی سے تقویٰ کیا جائے..، اب اگر کوئی نافرمانی کی روش ترک کردے اور بغاوت کو چھوڑ کر فرمان برداری اختیار کرلے تو ایسے شخص کیلئے اللہ تعالیٰ اپنا دامن رحمت کشادہ کر دیتا ہے۔

آخری آیت میں نوع انسانی کے سامنے یہ بنیادی بات رکھدی گئ کہ اگر کسی سے ڈرنا ہے تو صرف اللہ ہی کی ذات سے ڈرنا چاہیے اور اپنے گناہوں کی معافی بھی صرف اسی سے چاہی جاے۔ اور "جن کے اندر خدا کا خوف ہو گا اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور مغفرت کے اہل ٹھہریں گے۔ رہے وہ جن کے سینے خوف خدا سے خالی ہیں وہ اس سے محروم ہی رہیں گے اور جب وہ اس سے محروم رہیں گے تو خدا کی مغفرت سے بھی محروم رہیں گے۔" اقتباس تدبر قرآن)

☆☆☆

منقبت در شان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

میدان کارزار میں شوکت علیؓ کی ہے
میرے دل و نگاہ میں عظمت علیؓ کی ہے
بچوں میں سب سے پہلے مسلماں ہوئے علیؓ
دین محمدی سے یہ نسبت علیؓ کی ہے
مومن وہ آدمی ہے یہ قولِ رسول پاک
جس آدمی کے دل میں محبت علیؓ کی ہے
عثمان غنیؓ کے بعد خلافت ملی انہیں
سیرت میں یادگار خلافت علیؓ کی ہے
اللہ کے رسولؐ کے کاتب بھی تھے علیؓ
پاکیزہ اس لیے بھی کتابت علیؓ کی ہے
تلوار میں ہے برق کا انداز اے اخی!
اور گفتگو سراپا صداقت علیؓ کی ہے
کفار جستجو میں تھے پیارے رسولؐ کی
بستر پہ شب گذاری یہ ہمت علیؓ کی ہے
اللہ کے رسولؐ نے پرچم انہیں دیا
خیبر کی فتح شان شجاعت علیؓ کی ہے
میں بھی ہوں اک محب علیؓ بالیقیں نسیم !
دل میں مرے بھی گہری عقیدت علیؓ کی ہے

جناب محمد فاروق نسیم، برمنگھم

☆☆☆

ڈڈلی میں توسیع مسجد!

مسجد ہے مسلماں کے لئے ایسے ضروری
جیسے کہ ہے مچھلی کے لئے پانی ضروری
جس طرح کسی بھوکے کو روٹی ہے ضروری
بیمار کو جیسے کہ دوائی ہے ضروری
مسجد ہے سب سے اچھی جا ارشاد نبیؐ ہے
مسجد میں اپنا دل لگا ارشاد نبیؐ ہے
خوش ہوتے ہیں مسلماں مسجد میں آ کے یوں
خوش ہوتے ہیں پرندے قفس سے نکل کے جوں
توسیع کے بعد کتنی رفیع ہوگئی مسجد
واللہ خوبصورت وقیع ہوگئی مسجد
اخلاص سے جنہوں نے لگایا ہے اپنا زر
ایسے ہی تابناک ہوئے اس کے بام و در
جس نے خدا کے گھر میں لگایا ہے مال وزر
فردوس میں بنائے گا اللہ اس کا گھر
احباب 'ڈڈلی' کو مبارک خدا کا گھر
ان کی دعا وسعی نے دکھایا ہے یہ اثر
اللہ نسل نَو کو نمازی بنادے تو
بے دین جو ہیں ان کو بھی دینی بنادے تو
مرکز بنے یہ سنت و توحید کا خدا
ثاقب کی ہے اور سارے ہی لوگوں کی یہ دعا!

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی

☆☆☆

سست لوگ فکر اور غم میں مبتلا

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا: "اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ سست لوگ اکثر فکر، غم اور اداسی میں سب سے زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ حقیقی خوشی یا مسرت محسوس نہیں کرتے لیکن جو لوگ متحرک اور محنتی ہوتے ہیں - چاہے وہ کوئی بھی کام کریں، وہ اس کے برعکس ہوتے ہیں۔ اور اگر ان کی محنت کسی ایسے کام میں ہو جس کے اچھے نتائج اور فائدہ مند انجام کا انہیں علم ہو، تو اس کام کو کرنے میں انہیں جو خوشی اور تحریک ملتی ہے وہ اور بھی زیادہ ہوتی ہے اور اللہ ہی کامیابی دینے والا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ محبت روح کو حرکت دیتی ہے اور شدت سے طلب کرنے پر مجبور کرتی ہے۔"

ابن القیم (رح) نے فرمایا: "جو لوگ سست ہوتے ہیں، ان میں عام طور پر فکریں، پریشانیاں اور غم زیادہ پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنی حالت میں شاذ و نادر ہی خوشی اور مسرت پاتے ہیں، اس کے برعکس ان لوگوں کے جو اپنے معاملات میں کوشش اور محنت کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔" (روضۃ المحبین: ص168)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ ۚ﴾ (سورة التغابن: 11)

ہر طرح کی حمد و ثناء، شکر و تعریف، اللہ رب العالمین کے لیے جو مالک الملک، خالق کل، عالم کل ہے۔ درود وسلام، صلوۃ و تسلیم سید الانبیاء سید البشر خاتم النبیین محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے لیے، جو امام کائنات اور رحمت کائنات ہیں۔

ہماری اس دنیا میں، دنیا کی زندگی میں آرام بھی ہے، راحتیں بھی ہیں، رنگینیاں بھی ہیں، عیش و عشرت بھی ہے۔ جن کو مل جائے اور دوسری طرف سب پر تقریباً مصیبتیں بھی آتی ہیں۔ تکلیفیں بھی آتی ہیں، آزمائشیں بھی آتی ہیں، بیماریاں بھی آتی ہیں، آفتیں بھی آتی ہیں۔ غم اور خوشی اس دنیا کے اندر ملے جلے ہیں۔ کبھی یہ کیفیت کبھی وہ کیفیت۔ مگر آخرت میں دونوں کو الگ الگ کر دیا جائے گا۔ کچھ لوگوں کے لیے آرام ہی آرام، راحت ہی راحت ہے۔ مزے ہی مزے ہیں، اور کچھ لوگوں کے لیے مسلسل تکلیفیں ہیں۔ مکمل عیش و آرام اور مکمل راحت دنیا میں نہیں ملتی، آخرت میں ملتی ہے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّ العَيْشَ عَيْشُ الآخِرَةْ» (صحیح بخاری: 2834)

اصل زندگی اور اصل مزہ آخرت کا ہے۔ اصل زندگی ہی وہ ہے۔ اس دنیا کے بارے میں تو کہا کسی کہنے والے نے کہ

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہو گا
کہ نہ ہنستے میں رو دیا ہو گا
دل زمانے کے ہاتھ سے سالم
کوئی ہو گا، جو رہ گیا ہو گا

تو اس دنیا میں اسی طرح ہے، یہاں غم اور خوشی ملے گی۔ اس لیے تکلیف اگر آتی ہے تو مومن پر بھی آتی ہے بلکہ بعض اوقات شاید زیادہ آتی ہے، لیکن مؤمن دنیا کے مصائب، دنیا کی تکلیفوں اور دنیا کی مشکلات کو کس طرح فیس کرتا ہے یا برداشت کرتا ہے۔ اس کی آج بات کرنی ہے۔ ان شاء اللہ۔ مصائب اور ایمان یہ ہمارا موضوع ہے۔

ایمان مصیبت، تکلیف یا مشکل جھیلنے اور برداشت کرنے میں ہماری کیا مدد کرتا ہے؟ کیسے کرتا ہے۔ اللہ نے فرمایا: جو آیت ابھی میں نے پڑھی ہے۔

﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ﴾ (سورة التغابن: 11)

کسی کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے، وہ اللہ کے حکم سے ہوتی ہے، اللہ کے علم اور حکم سے ہوتی ہے۔ اس کے اذن سے ہوتی ہے۔ فرق کیا ہے مؤمن اور غیر مؤمن میں تکلیف اور مصیبت کے حوالے سے؟ جو ایمان والا ہوتا ہے، اللہ اس کے دل کو سہارا دے دیتا ہے، ثابت کر دیتا ہے، قائم کر دیتا ہے، کھڑا کر دیتا ہے۔ یہ فرق ہے۔ آتی مؤمن پر بھی ہے، لیکن اس کا دل اس کو برداشت کرنے کے قابل بنا دیا جاتا ہے۔

کس طرح؟ کیا چیزیں ہیں؟ وہ کیا فیکٹر ہیں؟ وہ کیا عناصر ہیں، جو مل کر مومن کے لیے تکلیف اور آزمائش کو جھیلنا، برداشت کرنا، فیس کرنا، مقابلہ کرنا، آسان اور ممکن بنا دیتی ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مؤمن اپنے ایمان کی سے یہ سمجھتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز عارضی ہے، فانی ہے۔ خوشی ہے تو بھی گزر جائے گی، یہ بھی عارضی ہے۔ اس پہ تکیہ کر کے نہیں بیٹھنا۔ غم ہے، تکلیف ہے، مصیبت ہے، بیماری ہے، پریشانی ہے۔ تو یہ بھی عارضی ہے۔ وقتی ہے۔ وقت لمبا بھی ہو سکتا ہے، لیکن بالآخر اسے گزر جانا ہے۔ جیسے پہلے کہا کہ صرف آخرت وہ جگہ ہے۔ جنت اور دوزخ وہ جگہ ہے۔ جہاں کے آرام اور جہاں کی تکلیفیں مستقل ہیں۔ یہاں کی زندگی جیسی بھی ہو گزر جاتی ہے۔ یہ پہلی چیز ہے جو مؤمن کو سہارا دیتی ہے اور اس بات کو سمجھانے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے ایک بڑی خوبصورت مثال دی، بلکہ آخرت میں ہونے والا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ ایک نہیں کئی واقعات ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ فرمایا:

دنیا کے بہترین، خوشحال ترین، خوش ترین، تھوڑی بہت تکلیف تو آتی ہے، مجموعی طور پہ بہترین زندگی بسر کرنے والا بندہ، لیکن اس کے ایمان میں کمی، عمل میں کمی، جس کی وجہ سے اسے آگ کی نذر کیا جائے گا اور زیادہ نہیں، تھوڑی دیر کے بعد اللہ اسے نکال کے طلب کرے گا۔ ہاں بھئی، دنیا میں تیری زندگی کیسی گزری؟ وہ کہے گا کہ یا اللہ میں نے تو آرام اور راحت اور مزہ کبھی دنیا میں چکھا ہی نہیں۔ مجھے پتہ ہی نہیں، یہ کیا ہے۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے، یہاں تو بول سکتے ہیں۔ وہاں اللہ کے سامنے نہیں بول سکتے۔ بولیں گے، تو سچ سچ بولیں گے صحیح بات بتائیں گے۔ اپنی طرف

سے یہ بھی صحیح بات بتا رہا ہے، اس کے ذہن میں مزے کے جو نقش تھے۔ دنیا کی آرام راحتیں وہ بھول گئی ہیں، بالکل صاف ہو گئی ہیں ذہن سے۔ اس لیے کہتا ہے کہ مجھے تو آرام کا پتہ ہی نہیں کہ کسے کہتے ہیں۔ دنیا میں بھی ویسے ہی کام۔ دوسری طرف آپ نے فرمایا، وہ بندہ یا وہ بندے، جس پر بڑی تکلیفیں گزریں۔ غربت تھی، پریشانی تھی، بیماری تھی، آزمائشیں تھی، تکلیفیں تھیں، لیکن ایمان تھا، عمل اچھا تھا۔ تکلیفوں کے باوجود یقین و ایمان کو سینے سے لگا رکھا تھا۔ اس ایمان کے مطابق چلنے کی کوشش بھی کرتا رہا۔ آخرت کی جواب دہی کو یاد رکھا۔ اللہ کو یاد رکھا۔ اللہ کے سامنے پیش ہونے کو یاد رکھا۔ اسے بھی جنت کی ذرا سی معمولی ہوا یا تھوڑی سی سیر کرا کے، دکھلاوے کے بعد اسے بھی پیش کیا جائے گا۔ اس سے بھی پوچھا جائے گا۔ دنیا میں تیری زندگی کیسی گزری بھئی؟ اب حقیقت کیا ہے؟ کہ وہ مسلسل تکلیف اور مصیبت اور پریشانی میں رہا: لیکن سب بھول گیا۔ ایک جنت کی ہوا نے اس کو سب کچھ بھلا دیا اور اب وہ کہتا ہے کہ جی مجھے تکلیف کا پتہ ہی نہیں کہ تکلیف کس چیز کا نام ہے۔ مصیبت کسے کہتے ہیں، مجھے تو نہیں پتہ۔ میں بڑے مزے میں رہا ہوں دنیا میں۔ یہ بھی سچ بول رہا ہے۔ جو سمجھ رہا ہے، وہی اس کی زبان سے نکل رہا ہے۔ لیکن ہوا کیا؟ کہ دنیا کی تکلیف اور آسانی چونکہ عارضی تھی۔ وہ ختم ہو گئی، گزر گئی، ماضی کا قصہ بن گئی۔ اب ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ تو اس مثال اور اس ہونے والے واقعہ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سمجھائی کہ دنیا میں اگر راحت آتی ہے تو اسے مستقل نہ سمجھو۔ اگر تکلیف آتی ہے تو اسے بھی مستقل نہ سمجھو، یہ سب گزر جانے والی باتیں ہیں۔ تو تکلیف اور مصیبت میں، آزمائش میں پہلا سہارا مؤمن کو اس چیز سے ملتا ہے کہ جو بھی ہے یہ گزر جائے گی۔ ختم ہو جائے گی۔ دوسری بات، جب یقین یہ ہو، ایمان اس بات پر ہو کہ ہم اللہ کے بندے اور اس کی ملکیت ہیں، اس کے غلام، اس کے پیدا کیے ہوئے اور اس کے پورے قبضے میں اور ہم اس کے ہیں۔ کبھی آپ نے غور کیا ہے، یہ جو ہم نقصان یا کسی کی وفات کے وقت پڑھتے ہیں اور ایسے موقع پر پڑھنے کے لیے جو الفاظ قرآن نے سکھائے، وہ کیا ہیں:

﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ﴾ (سورة البقرة: 156)

غور تو کریں، یہ بہت اونچی بات ہے دونوں باتیں جو اس کلمے میں کہی گئیں۔ انا للہ ہم اللہ کے ہیں۔ وہ جس طرح چاہے ہمیں رکھے۔ اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے ہمارے پاس انا للہ، ہم اللہ کے ہیں۔ بس بات ختم ہوئی۔ جب اس کے ہیں تو پھر اس کی مرضی ہے۔ آرام میں رکھے یا تکلیف میں رکھے۔ جیسے بھی رکھے اور جانے والے بھی اس کی طرف ہیں۔ لوٹنے والے بھی اس کی طرف ہیں۔ وہاں جا کے ان مصیبتوں کا، تکلیفوں کا، ان کو برداشت کرنے کا، صبر کرنے کا، بدلہ ان شاءاللہ ہمیں وہاں ملے گا۔ یہ ہے اس کلمے کا مفہوم اور یہی کلمہ ہے ایمان، یقین ہے کہ ہم اللہ کے ہیں۔ یہ دو لفظی بات، ہم اللہ کے ہیں۔ یہ بھی مومن کو بڑا سہارا دیتی ہے۔ اگر اسے یقین ہو، اس بات پہ، دل سے یہ سمجھتا ہوں، اللہ کے ہیں اور اللہ نے ہمیں خریدا ہوا ہے، ہمارا مال بھی، ہماری جانیں بھی، اس نے خریدی ہوئی ہیں۔ ہیں بھی اس کی، اور اس نے پھر خرید بھی لی ہوئی ہیں۔ اب کہاں جائیں؟ جیسے رکھے گا، ٹھیک ہے۔ تیسری بات، ایمان جو سہارا دیتا ہے، وہ اس بات سے بھی دیتا ہے کہ جو کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔ جو ہمیں زندگی میں اچھا یا برا مل رہا ہے۔ اس کا فیصلہ پہلے سے ہو چکا ہے اور وہ لکھا جا چکا ہے۔ وہ اللہ کے پاس لکھا ہوا ہے۔ اس نے جو لکھ کر رکھا ہے وہ ویسے ہی ہو گا۔ تو پھر مصیبت اور تکلیف سے گھبرانا کیا؟ اور خوشی کی بات سے بہت زیادہ خوش ہونا کیا؟ اس کا کوئی جواز نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ ہے، وہ لکھا ہوا ہے اور اللہ کے حکم سے آتا ہے اور تمہیں یہ بات اس لیے بتائی ہے۔

﴿ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ﴾ (سورة الحديد: 23)

جو تمہیں نہیں ملا اس پر زیادہ، ضرورت سے زیادہ اور بہت زیادہ افسوس نہ کرو اور جو ملا ہے اس پر ضرورت سے زیادہ خوشی کا اظہار بھی نہ کرو اور ٹھیک ہے نارمل لو اس کو۔ دیا ہے تو اللہ کا شکر کرو۔ نہیں دیا تو اللہ کی رضا پر اس کے حکم پر اور اس کے فیصلے پر صبر کرو۔ تو یہ بات کہ یہ لکھی جا چکی ہے اور اس میں کوئی تبدیلی اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ لکھے ہوئے پر۔

﴿ يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ﴾ (سورة الرعد: 39)

اللہ چاہے تو لکھے ہوئے کو بدل دے، خود کچھ اور لکھ لے، لیکن جب تک اس کی کتاب میں لکھا ہوا ہے، اسی طرح ہونا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی صورت ہی نہیں اور کسی اور طرح واقع ہونے کی۔ تو مؤمنوں کا یہی کلمہ ہے، جو قرآن میں مؤمنوں کو سکھایا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ مؤمنوں کا یہی کلمہ ہوتا ہے۔

﴿ قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا﴾ (سورة التوبة: 51)

ہر گز ہر گز ہمیں نہیں ملے گا، ہمیں نہیں پہنچے گا، مگر وہ جس کو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا۔ ہمیں وہ نہیں ملے گا جو ہمارے لیے لکھا ہوا نہیں ہے۔

چوتھی بات مؤمن یہ بھی جانتا ہے کہ دعوی ایمان کرنے والے پر مصیبتیں زیادہ آتی ہیں۔ اسے آزمایا

جاتا ہے۔

﴿الم ٥ أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾ (سورة العنكبوت: 1-2)

لوگوں نے کیسے یہ سمجھ لیا؟ کیوں سمجھ لیا؟ کہ ایمان لانے کے بعد وہ آزمائے نہیں جائیں گے۔ آزمائے جائیں گے۔ آزمائش ہوگی آزمائش تکلیف اور مصیبت سے ہوگی۔ دعویٰ ایمان کے بعد آزمائش آتی ہے:

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم﴾ (سورة آل عمران: 214)

تم نے کیسے سمجھ لیا کہ تم سیدھا جنت میں چلے جاؤ گے۔ ابھی تو تمہیں وہ تکلیفیں اور آزمائشیں نہیں آئیں، جو پہلوں پر آتی رہیں۔ آئیں گی، تم بھی آزمائے جاؤ گے تو پھر جنت کے قابل بنو گے۔

پانچویں بات، مؤمن کا یقین یہ بھی ہے کہ اللہ حالات بدلنے پر قادر ہے۔ وہ قدرت رکھتا ہے۔ اگر آج بیماری یا تکلیف ہے، مصیبت ہے تو اسے بدلنا بھی اس نے ہے۔ وہ بدل سکتا ہے اور وہی بدلے گا۔

﴿وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ﴾ (سورة الأنعام: 17)

اے سننے والے! نبی بھی اس میں شامل ہے مخاطبین میں، اے مخاطب! اے سننے والے! اے قرآن پڑھنے والے! اگر تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو یاد رکھ اس کو کھولنے والا، اس کو ہٹانے والا، اللہ ہے اور کوئی نہیں۔ تو اس لیے مؤمن اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔ اتنے اتنے پریشان کن اور مایوس کن حالات تھے، سیدنا یعقوب علیہ السلام کے۔ ایک بیٹا عرصے سے گم ہے۔ دوسرے بیٹے کہتے ہیں اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ خیال ہے، انہوں نے اس کو کہیں مار دیا ہے یا کہیں پھینک دیا ہے، کیا کیا ہے؟ کچھ پتہ نہیں۔ دوسرے کو بھی غائب کر دیا۔ پریشانی بہت ہے۔ لیکن کہتے کیا ہیں؟

﴿وَلَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ﴾ (يوسف: 87)

اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔

دوسری جگہ فرمایا:

﴿يَا بَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِن يُوسُفَ وَأَخِيهِ﴾ (سورة يوسف: 87)

جاؤ تلاش کرو اپنے بھائیوں کی اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔

کوئی انہیں واپس لا سکتا ہے، بازیاب کرا سکتا ہے۔ یہ یقین بھی مومن کو بڑا اطمینان دلاتا ہے۔

چھٹی بات یہ کہ مؤمن مصیبت میں بھی، اگر آئی ہوئی ہے، اس پر زیادہ نظر کرنے کی بجائے اللہ کی نعمتوں کی طرف زیادہ دیکھتا ہے، کہ تکلیف ہے تو آج بھی تکلیف کے ساتھ اس کی نعمتیں بھی بہت ہیں، اس کے احسان بھی بہت ہیں۔ ماضی میں اس تکلیف کے بغیر کتنا عرصہ میں نے یہ زندگی گزاری ہے۔ وہ اس کا شکر کرتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ آئی ہوئی تکلیف پر صبر کرتا ہے۔ یہ طریقہ ہے مؤمن کا کہ مصیبت کے وقت بھی اللہ کی نعمتوں کو بھلاتا نہیں ہے۔ یاد رکھتا ہے۔

جیسے ایک صحابی کا واقعہ آتا ہے کہ پاؤں میں تکلیف تھی۔ جب لوگوں کو شوگر کا تو پتہ نہیں تھا، شاید شوگر ہی ہو، اس کی وجہ سے پاؤں میں زخم ہو گیا۔ طبیب نے کاٹنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ اس کے لیے نشہ آور دوائی دینی پڑے گی۔ انہوں نے کہا تم کاٹو، میں اللہ کا ذکر کرتا ہوں، تم کاٹو۔ لیکن اصل بات یہ بتانی ہے کہ کاٹنے کے بعد لوگ افسوس کے لیے، ہمدردی کے اظہار کے لیے آئے، وہ اللہ کا شکر کر رہے تھے، کہہ رہے تھے کہ اتنے سال میری عمر ہو گئی ہے، دو پاؤں، دو ہاتھ اللہ نے رکھے، چار تھے نا، ان میں سے ایک اب اس نے لے لیا، اس نے دیا تھا، اس نے لے لیا، کوئی بات نہیں۔ یہ ہے سوچ مومن کی۔ تو یہ احساس اور یہ یقین کہ تکلیف آئی تو اس کی طرف سے، نعمتیں دینے والا بھی وہی ہے۔

﴿ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ﴾ (الشعراء: 80)

میں جب بیمار ہوتا ہوں، وہ شفا دیتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں، اللہ کا تعارف کرا رہے ہیں، اس کی صفات، اس کی عظمتیں بیان کر رہے ہیں، اس کے احسانات کا ذکر کر رہے ہیں۔ میں بیمار ہوتا ہوں تو شفاء بھی مجھے وہی دیتا ہے۔ تو یہ ہے مومن کا یقین۔

اور یہ بھی مومن جانتا ہے کہ اصل مصیبت وہ ہے جو اللہ سے، اس کی یاد سے، اس کی نعمتوں سے غافل کر دے۔ اصل مصیبت وہ مصیبت ہے، جو بھی مصیبت یا تکلیف، یا کوئی چیز، راحت ہو یا مصیبت ہو، آتی ہے اور اللہ کی یاد سے، اللہ کے ساتھ تعلق سے غافل کر دیتی ہے، اس کے ذکر سے غافل کر دیتی ہے، تو یہ ہے اصل مصیبت اور اگر مصیبت ہے اور اس پر صبر ہے اور شکر ہے اور ایمان قائم ہے اور بندہ اپنی جگہ پر کھڑا ہے تو پھر یہ مصیبت نہیں۔ یہ Blessing in Disguise ہے۔ مصیبت کے پردے میں چھپی ہوئی نعمت ہے۔ مؤمن اس پر صبر کرے گا، شکر کرے گا، مصیبت پر اس کے گناہ کم ہوں گے، اس کے گناہ دھوئے جائیں گے، اس کے درجات بلند ہوں گے۔ یہ کیسے ہوا؟ یہ کس نے کیا؟ گناہوں کی معافی، درجات کی بلندی کیسے ہوئی، یہ کس نے کی؟ یہ مصیبت میں، مصیبت میں آکر ہوئی۔ اس لیے یہ مصیبت نہیں، مصیبت کے پردے میں چھپی ہوئی اللہ کی نعمت ہے۔ مصیبت تب ہے جب اللہ سے ہم ہٹ جائیں، اللہ سے غافل ہو جائیں۔

اگلی بات، مصیبت میں، تکلیف میں، اللہ کی طرف رجوع کرنے کا زیادہ موقع ملتا ہے، اس میں کرنا چاہیے۔ اللہ کا ذکر، ذکر جس بھی مسنون شکل میں

ہو، تلاوت قرآن، درود شریف، استغفار، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، سُبْحَانَ اللهِ، اَلْـحَمْدُ لِلّٰهِ اور دوسرے اذکار، یہ بھی مصیبت کے وقت بڑا سہارا دیتا ہے۔ قرآن کا فیصلہ، قرآن کا علاج۔

﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (سورة الرعد: 28)

خبردار سن لو! دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر سے ہے۔ تو مؤمن جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو مصیبت کاٹنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔

بئر معونہ کا جو واقعہ سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ ایک صحابی کو تیر لگا، زخم سے خون بہہ رہا ہے، موت کا اندیشہ ہے اور صحابی موت کے دروازے پر ہے، لیکن اللہ کو یاد کرتا ہے اور کہتا ہے:

«فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ» (صحيح مسلم:2801)

کعبے کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو کے جا رہا ہوں دنیا سے۔ یہ مؤمن کا رویہ ہے تکلیف کے وقت۔

اور اسی طرح انس بن نضر رضی اللہ عنہ۔ احد میں، ان کے جسم پر اسی کے قریب زخم آئے، وہ بھی دنیا سے جا رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کو بھیجتے ہیں کہ زخمیوں کو تلاش کرو، کون زخمی ہے؟ کون فوت ہوا ہے؟ کون شہید ہوا ہے؟ اور آپ خاص طور پہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ ہمارا انس بن نضر نہیں آ رہا، اس کا بھی پتہ کریں اور اگر ملے تو میری طرف سے اسے سلام پہنچانا اور اس کا حال پوچھنا۔ وہ ملے، آخری وقت تھا، سلام دیا، انہوں نے 'وعلیکم السلام' کہا اور پھر انہوں نے کہا کہ "اللہ کے نبی پوچھتے ہیں: كَيْفَ تَجِدُكَ "تیرا حال کیا ہے؟" مومن کا جواب کیا تھا:

"إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ الْجَنَّةِ دُونَ أُحُدٍ." (مسند أحمد:13658)

میں اس حال میں ہوں کہ مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ یہ اطمینان ہے، مؤمن کا، تکلیف میں، موت کے دروازے اور دہانے پہ کھڑے ہو کر کہہ رہا ہو۔ مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔

خبیب رضی اللہ عنہ پکڑے گئے۔ کافروں نے کہا: "اس کو سولی پہ چڑھاؤ۔" سولی پہ چڑھایا تو کسی نے کہا، ابو سفیان نے کہا: "اس وقت تو دل کے اندر یہ خواہش ہو گی کہ اس سولی کے تختے پہ نہ بیٹھا ہوتا، محمد بیٹھے ہوتے" اس نے کہا "کیسی باتیں کرتے ہو؟ مجھے تو یہ بھی برداشت نہیں کہ ان کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے اور میری جان بچ جائے! اور جہاں تک میرا تعلق ہے،

«مَا أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا» (صحيح بخاری:3045)

مجھے کوئی پروا نہیں کہ جب میں سولی کے بعد، پھانسی کے بعد مر جاؤں گا تو دائیں کروٹ پہ گروں گا، بائیں پہ گروں گا، کیا ہو گا؟ جسم کے ساتھ کیا ہو گا؟ مجھے کوئی پروا نہیں۔ اطمینان صرف اس بات کا ہے کہ اسلام کی حالت میں مسلمانی کی حالت میں فوت ہوں گا۔ بس یہ کافی ہے میرے لیے۔

جو اگلی بات اطمینان دلاتی ہے وہ یہ کہ اللہ سب کے ساتھ ہے اور سب کی سنتا ہے لیکن ٹوٹے ہوئے دلوں کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے۔ جب کوئی پریشان ہو کے پکارتا ہے تو اس کی زیادہ سنتا ہے۔ فرمایا:

﴿ أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ ﴾ (سورة النمل: 67)

مصیبت میں دعا کا زیادہ موقع ملتا ہے، اگر کوئی چاہے تو اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس میں انابت کا، اللہ کے آگے جھکنے کا، توکل کا، اللہ پر بھروسہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔ مظلوم، مسکین مصیبت زدہ کی دعا زیادہ سنی جاتی ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

« اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ» (صحيح بخاری: 2448)

اور اس وقت پکارنے کا مزہ بھی بہت ہے۔ اور اللہ بھی اسے پسند کرتا ہے۔ اللہ کو اس وقت بندے کا عاجزی سے، تضرع سے پکارنا پسند آتا ہے۔ یقین بڑی دولت ہے۔ ایمان بہت بڑا خزانہ ہے، جو کئی جگہ کام آتا ہے اور مصیبتوں میں بھی کام آتا ہے۔ نبی کریم ﷺ ہجرت کے لیے نکلتے ہیں۔ پریشانی کا عالم، ساتھ دینے کے لیے صرف ایک بندہ اور پیچھے بہت سے لگے ہوئے خون کے پیاسے۔ غار میں رکتے ہیں، پناہ لیتے ہیں۔ ساتھی اپنے لیے نہیں، آپ کے لیے پریشان ہے اور کہتا ہے کہ وہ تو ہمارے بالکل اوپر پہنچ گئے۔ ذرا جھک کے دیکھیں گے تو ہم نظر آ جائیں گے۔ اب کیا ہو گا؟ یقین والا اور یقین سکھانے والا نبی کیا کہتا ہے؟ فرمایا:

﴿ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ (سورة التوبہ: 40)

گھبراؤ نہیں، غم نہ کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ یہ ہے یقین، یہ ہے ایمان، جو مصیبتوں میں کھڑا کرتا ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ مومن کے دل میں اللہ کا ڈر بھی ہے، اس کی محبت بھی۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ﴾ (سورة البقرہ: 165)

ایمان والے اللہ کی محبت میں بڑے پکے ہوتے ہیں، سخت ہوتے ہیں، مضبوط ہوتے ہیں۔ محبت والے محبوب کو چاہے جانے سے اگر تکلیف آئے تو جو صحیح چاہنے والا ہوتا ہے، وہ اس کو زیادہ محسوس نہیں کرتا کہ یہ میرے حبیب کی طرف سے ہے۔ تو اگر مسلمان کے لیے اللہ واقعی حبیب ہے، مسلمان اسے چاہتا ہے، اس سے محبت کرتا ہے، جیسے قرآن نے کہا، تو پھر اسے اس کی طرف سے آنے والی تکلیف پر بھی شکایت نہیں ہوتی۔ اسے برداشت کرتا ہے بلکہ اس کے مزے بھی لیتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے آئی، ہمارے لیے اس بات کو سمجھنا تھوڑا مشکل ہے لیکن سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ مزے بھی لیتے ہیں۔ میں

نے غلط نہیں کہا۔

سیدنا معاذ بن جبل ﷛ کو دیکھیں۔ طاعون پریشان کن اور تکلیف دہ بیماری ہے، اللہ تعالیٰ بچائے۔ اب تو کافی حد تک اس کا بظاہر خاتمہ ہو گیا، اللہ کی طرف سے کسی وقت بھی بڑی کوئی تکلیف آسکتی ہے۔ وہ طاعون کا شکار ہوئے۔ اس میں گلٹیاں نکلتی ہیں جسم پر، بڑی تکلیف دہ ہوتی ہیں، لیکن وہ ہاتھ پر لگی ہوئی گلٹی کو پیار کرتے تھے، چومتے تھے۔ عجیب بات ہے نا اور کہتے تھے کہ تو مجھے سرخ اونٹ جیسی بڑی دولت سے زیادہ پیاری ہے۔ اس لیے کہ تو میرے اللہ کی طرف سے آئی ہے۔ یہ بھی ایمان کی ایک شکل ہے۔ (طاعون عمواس:213)

ایک نسخہ حضرت ابو بکر صدیق ﷛ کا بھی ہے۔ مصیبت برداشت کرنے کا، مصیبت کو Face کرنے کا، ایک نسخہ ان کا بھی ہے۔ وہ بھی عجیب نسخہ ہے۔ وہ کہتے تھے کہ کوئی تکلیف آتی تھی، کوئی بیماری پریشانی کوئی بھی تو وہ کہتے تھے کہ میں کسی ایسے موقعے پہ اس مصیبت کو یاد کرتا ہوں جو میرے لیے سب سے بڑی مصیبت تھی۔ تو ہر مصیبت مجھے اس کے مقابلے میں ہلکی نظر آنے لگتی ہے۔ وہ کون سی مصیبت تھی؟ فرمایا:

میرے لیے اور اسی طرح دوسرے صحابہ کے لیے، سب سے بڑی مصیبت نبی کریم ﷺ کا اس دنیا سے چلے جانا تھا۔ جتنی تکلیف اس دن ہمیں آپ کی رحلت سے ہوئی کسی اور چیز سے نہیں ہوئی۔ تو اب چھوٹی موٹی تکلیف آتی ہے، اس کی کیا حیثیت ہے؟ اللہ نے وہ وقت بھی گزار دیا، اس تکلیف کو بھی ہم نے سہہ لیا، تو اس کے مقابلے میں چھوٹی تکلیف کی کیا حیثیت ہے؟ یہ بھی ایک سہارے کا ذریعہ ہے۔

اب آخر میں، نبی کریم ﷺ نے خود کس طرح ایمان کے ساتھ، توکل کے ساتھ، استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ اور اللہ کی محبت میں اور اللہ کے ساتھ تعلق کو مزید زیادہ جوڑتے ہوئے، کس طرح آپ نے مصیبتیں سہیں اور ہمارے لیے نمونہ قائم کیا۔ یہ بھی تھوڑا سا سن لینا چاہیے۔ جہاں تک مصیبتوں کا تعلق ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«أُوذِيتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ» (جامع ترمذی: 2472)

اللہ کی راہ میں، اللہ کا دین پھیلانے کے لیے، اتنی مصیبتیں آئی ہیں کہ شاید کسی اور کو اتنی نہیں آئی ہونگی۔ یہ جسمانی مصیبتیں بھی ہیں۔ روحانی مصیبتیں بھی ہیں، روحانی تکلیفیں بھی ہیں اور صحابہ کی جو تکلیفیں تھیں، وہ بھی ان کو اپنی تکلیف سمجھتے تھے اور میں نہیں کہتا، قرآن یہ کہتا ہے۔

﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ (سورة التوبہ: 128)

اے صحابہ! جو چیز تمہیں تکلیف دیتی ہے، وہ ہمارے نبی پر بھی بڑی بوجھل ہے۔ بڑی شاق گزرتی ہے۔ نمونے کے طور پہ شعب ابی طالب میں آپ کا، آپ کے ساتھیوں کا محصور کیا جانا، بائیکاٹ کیا جانا دیکھ لیں۔ کیکر کے پتے کھانے پڑے، ٹوٹل بائیکاٹ تھا، کوئی چیز لینے خریدنے نہیں دیتے تھے۔ سوکھا چمڑا کھانا پڑا، پر بھول گئے۔

طائف دیکھ لیں، کس طرح کسی بڑے نے، سردار نے کہا کہ مجھ سے بات نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ کسی نے کہا، اللہ کو کوئی اور نہیں ملا رسول بنانے کے لیے، تمہیں بنایا رسول۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ کسی نے لڑکے پیچھے لگا دیئے، بدمعاش! اوباش قسم کے، جو گالیاں دیتے تھے، پتھر پھینکتے تھے۔ اس تکلیف کو بھی اللہ کی رضا کے لیے برداشت کیا؟

بعض لوگ اس کے برعکس مصائب میں جزع فزع کرتے ہیں، یعنی بغاوت کے اور شکایت کے کلمات، لیکن آپ کا نمونہ یہ ہے کہ بیٹے کی وفات ہے یا اور کوئی صدمہ ہے، بے شک دل پہ لگتا ہے، بے شک اس سے آنسو بھی نکل آتے ہیں۔

لیکن فرماتے ہیں کہ

«وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا» (صحیح بخاری: 1303)

زبان سے وہی کلمہ کہیں گے جو رب کو پسند ہے۔ اس کی بغاوت کا کلمہ، اس کی نافرمانی کا کلمہ، اس سے شکایت کا کلمہ ہماری زبان پر نہیں آئے گا۔ تو یہ ہے مومن کا رویہ، یہ ہے مومن کا یقین، جس سے اس کے لیے دنیا کی مصیبتیں برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایمان کی دولت عطا فرمائے۔

☆☆☆

طلباء علم کے بارے میں ابن قیم رحمہ اللہ کی ایک اہم نصیحت

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”علم حاصل کرنے والے طالب علموں میں سب سے گھٹیا یا کمزور ذہنیت اس شخص کی ہوتی ہے جو اپنی ساری محنت صرف ایسے عجیب و غریب، غیر معمولی اور شاذ نادر مسائل کے پیچھے لگا دیتا ہے جو نہ کبھی ہوئے ہیں اور نہ ہی ان کا آئندہ کوئی امکان ہے۔ یا پھر وہ شخص جس کی ساری دلچسپی صرف مختلف فقہی آراء (اقوال) اور اختلافات جاننے میں ہو، لیکن اسے اس بات سے کوئی غرض نہ ہو کہ ان تمام اقوال میں صحیح اور راجح بات کون سی ہے۔ ایسے لوگوں میں سے بہت کم ہی ہیں جو اپنے علم سے فائدہ اٹھا پاتے ہیں۔“

(الفوائد: ص84)

☆☆☆



عصری علوم کے ساتھ دینی علوم کی ضرورت

ڈاکٹر سید حسین مدنی (مؤسس ادارۂ کل ہند تحقیقات علمیہ وصدر فتوی بورڈ تلنگانہ)

بچے مسلم سماج اور دینی معاشرے کا بیش بہا سرمایہ اور امت وملت بلکہ انسانیت کی تعمیر وترقی کے لیے بنیادی اساس اور کلیدی اثاثہ ہوتے ہیں، ان کے تئیں کسی بھی طرح کا تساہل، اور کسی بھی زاویے سے بے اعتنائی وتغافل زمین پر تمکنت کی بجائے ہزیمت وذلت سے دوچار کردیتا ہے، اسی لیے ہمیں عصر حاضر میں جہاں معاشی بدحالی سے نمٹنا ہے وہیں ترجیحی بنیادوں پر نسل نو کی دینی حمیت کی پاس داری بھی کرنی ہے۔

علم اور تعلیم کی ابتدا انسان کے وجود کے ساتھ وابستہ ہے، اور جو علم آدم علیہ السلام کو دیا گیا، وہ اشیا کے اسما کا علم ہے، اور اسما سے مراد بعض مفسرین کے یہاں مسمیات یعنی اشیا کے خواص ہیں اور اِسی علم کا نام سائنس ہے۔

پہلی وحی میں پہلی آیت الہیات واخلاقیات، دوسری آیت حیاتیات وجنینیات کے سائنسی حقائق، تیسری آیت عقیدہ اور حیات، چوتھی آیت علم اور ذرائع علم ، اور پانچ ویں آیت جدید سائنس اور میدان علم کی وسعتوں سے متعلق ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے دینی علم ودنیوی علم کو عملی طور پر یکساں اہمیت دی، جیساکہ آدم علیہ السلام زراعت کیا کرتے تھے، نوح علیہ السلام اور زکریا علیہ السلام Carpenter تھے، ادریس علیہ السلام Tailoring جانتے تھے، داود علیہ السلام لوہا اور اس کی مصنوعات میں ماہر تھے، اور سلیمان علیہ السلام ہوا اور پرندوں کے بارے میں خرق عادت بخوبی واقف تھے، غرض یہ کہ انبیا نے دین ودنیا کی رہنمائی یکساں طور پر فرمائی ، اور ہم دینی ودنیوی اعتبار سے عمومی طور پر انبیاء کے نقش قدم پر چلنے کے پابند ہیں۔ (سورۃ الانعام:90)

عنوان بظاہر اس بات کا عکاس ہے کہ عصری علوم اور دینی علوم کے درمیان نمایاں فرق اور کھلا امتیاز ہے ، جب کہ سارے عصری علوم کی اصل اور ابتدا کہیں نہ کہیں اسلام اور مسلمانوں سے وابستہ ہے، اسی لیے آپ کو کتب حدیث میں مستقل طور پر کتاب الطب ، کتاب البیوع ، کتاب الأطعمة ، و کتاب النفقات اور دیگر کتابیں ملے گیں ، اور بالخصوص عصر حاضر میں طب نبوی Alternative Medicine کے طور پر معروف ومقبول ہے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے الإتقان في علوم القرآن میں العلوم المستنبطة من القرآن کے تئیں اقوال سلف کی روشنی میں فرمایا کہ کائنات کی ہر شے کا علم کسی نہ کسی لحاظ سے قرآن میں ہے۔

شیخ عبد الرحمن سعدی رحمہ اللہ نے دینی وعصری علوم کی تفریق مٹاتے ہوئے مستقل کتاب لکھی:

"الدلائل القرآنية في أن العلوم والأعمال النافعة العصرية داخلة في الدين الإسلامي".

لیکن امام ابن عثیمین رحمہ اللہ (شرح ریاض الصالحین: 5/451)، شیخ بن باز رحمہ اللہ (مجموع فتاوی بن باز: 2/ 302) اور شیخ صالح الفوزان (شرح الاصول الثلاثۃ:19) وغیرہ نے شرعی علوم اور عصری علوم کے درمیان تفریق کی، مگر شیخ بن باز رحمہ اللہ (مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ: 2/314) نے فرمایا کہ مسلمانوں کی ضرورت کے لحاظ سے غیر شرعی علوم کا سیکھنا کبھی کبھار واجب اور فرض کفایہ ہوجاتا ہے، اور جس قدر نیت خالص اور درست رہے گی اسی قدر بندے کے اعمال عبادات بن جاتے ہیں، ورنہ نیت کے بغیر وہ مباح شمار ہوتے ہیں۔

واضح رہے کہ اکثر عصری علوم کے بنیادی اصول وفروع مسلم مفکرین کی مرہون منت ہیں، لیکن انہیں انگریزی لاحقے کے ساتھ متعارف کیا گیا، جیسا کہ دنیا کو جنگی تدابیر میں منجنیق کا تصور غزوۂ طائف سے ملا، بحری بیڑے کی ایجاد مسلمانوں کا عظیم الشان کارنامہ، بالخصوص تخلیق سائنس مسلمانان اندلس کا کرشمہ ہے۔

نبی ﷺ نے مکہ میں دار ارقم قائم کیا جہاں عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ نے علم حاصل کیا، مدینے میں صفہ قائم رہا جہاں ابو ہریرہ اور انس رضی اللہ عنہما جیسے تقریباً 70 صحابہ نے علم حاصل کیا، اور باقاعدہ مدرسہ تو مدرسۂ بیہقیہ کے نام سے چوتھی صدی ہجری میں قائم ہوا، بالخصوص برصغیر میں انگریزوں کے غلبے سے پہلے عصری ودینی علوم کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا، کیوں کہ ایک ہی درس گاہ سے ڈاکٹر، انجینیر ، سائنس داں، محدث، فقیہ اور مفتی فارغ التحصیل ہوا کرتے تھے، جیساکہ امام غزالی اور البیرونی نے ایک ہی مدرسے میں ایک ساتھ پڑھائی کی، اور امام غزالی ایک مکتب فکر کے بڑے عالم دین بنے، جب کہ البیرونی کیمیا، جغرافیہ، فارمیسی اور طبیعیات و فلکیات کے بڑے سائنس داں بنے۔

احمد سرہندی ایک مخصوص مکتب فکر کے عالم اور ان کے ہم جماعت احمد لاہوری تاج محل لعل قلعہ اور جامع مسجد دہلی کے آرکیٹیکٹ تھے۔

تقریباً1780ء سے قبل مدارس کی اصطلاح دینی درس گاہ کے ساتھ مختص نہیں تھی، لیکن انگریزوں نے مسلمانوں کے لیے عصری علوم کے دروازے بند کرنے کے لیے اسکولس اور مدارس کے درمیان خط امتیاز کھینچا اور عصری و شرعی علوم کے مابین تفریق شروع کی ،دفتری وعدالتی نظام فارسی کی بجائے انگریزی رکھا،اور عمومی قانون فقہ اسلامی کی بجائے انگریزی قانون بنایا۔

متقدمین میں امام زہری جغرافیہ داں،امام رازی نام ور طبیب،امام ابن البناء المراکشی ریاضیات اور علم ہیئت ،امام تفتازانی مابعد الطبیعیات،جابر بن حیان اور موسی خوارزمی کیمیا Chemistry، Physics،Algebra اور Geometry کے ماہر و متخصص تھے، عمر قیام Great Mathematican تھے ،ابن ہیثم نے Camera ایجاد کیا،مامون نے Geography کی بڑی خدمت کی ،ابو عبید Paper Making میں مشہور ہوئے ،عمومی طور پر Industry صنعت وحرفت میں اسپین ،بغداد ،بخاری اور سمرقند بہت آگے رہے۔

آج سائنس جس عروج پر ہے یہ مسلمانوں کی ان گنت محنتوں کا ثمرہ ہے ،جنھوں نے ایجادات ،انکشافات اور سائنسی تحقیقات پر ایسی کتابیں تحریر کیں جو یورپ میں داخل نصاب رہیں، پر انھوں نے ان کے اور مولفین نام بدل ڈالے ،جیسے ابن سینا Father of Algebra کی القانون کو The canon of Medicine ابو بکر الرازی کا نام Rhasis،ابن سینا کا نام Avicenna رکھا۔

واضح رہے کہ ان میں سے بعض ماہرین پر عقیدے اور منہج کے لحاظ سے اہل علم نے ملاحظات ذکر کئے ہیں۔

بفضلہ تعالی آج کل ملک کے طول وعرض میں دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کا اہتمام کیا گیا اور فی الوقت بحمد اللہ ضرورت محسوس کی گئی کہ عصری علوم کے ساتھ دینی تعلیم بھی از حد ضروری ہے۔

دنیوی علوم کے ساتھ دینی علوم اس لیے ضروری ہیں کیوں کہ شرعاً ان کی اہمیت ،فضیلت اور دنیوی واخروی افادیت ہے۔

دنیوی علوم کے ساتھ دینی علوم اس لیے ضروری ہیں کیوں کہ اللہ تعالی نے ان افراد کی مذمت بیان کی جو آخرت کے علم سے غفلت برتتے ہوئے صرف دنیا کے تھوڑے سے ظاہری علوم سے واقف رہتے ہیں ، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: یعلمون ظاہرا من الحیاۃ الدنیا وہم عن الآخرۃ ہم غافلون۔سورۃ الروم/7۔

واضح رہے کہ درج بالا آیت میں اخروی علم کے بمقابل ظاہری دنیوی علم کی قلت کی طرف اشارہ ہے ،کیوں کہ ظاہر کو نکرہ رکھا گیا ہے جو تقلیل کے ساتھ ساتھ تحقیر پر بھی دلالت کرتا ہے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کفار دنیا بسانا(Civil engineering)اور زِراعت(Agriculture) جانتے تو ہیں، لیکن دین کے معاملے میں جاہل ہیں،اسی طرح قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ تجارت، (Commerce) حرفت وہنر(Craft) اور خرید وفروخت(Sale) جانتے تو ہیں۔۔۔، بِعَینہٖ عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ سلائی (Tailoring) جانتے تو ہیں لیکن دین کے معاملے میں جاہل ہیں۔

لہذا اہل ایمان کفار کی طرح صرف دنیوی تعلیم کو اہمیت نہ دیں بلکہ سب سے پہلے فرض دینی علم کو اہمیت دیں ، یا کم از کم دونوں کے درمیان توازن تو برقرار رکھیں،ورنہ محض جہالت اور صرف دنیوی علم کے درمیان کسی بھی طرح فرق باقی نہیں رہ جائے گا ۔محاسن التأویل لجمال الدین القاسمي۔

دینی علم سے غفلت برتنے والا اور دنیوی علم کو اہمیت دینے والا نہ صرف قابل مذمت ہے بلکہ اللہ تعالی کی محبت سے محروم ، اور اللہ کی سخت ناپسندیدگی کا شکار بھی ہے، جیسا کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ یقینا اللہ عزوجل ہر اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو دنیا کا علم اپنے پاس تو رکھتا ہے، لیکن آخرت کے علم کے بارے میں جاہل ہے۔(فردوس الأخبار بمأثور الخطاب، یا الفردوس بمأثور الخطاب یا مسند الفردوس للدیلمي، باب الألف:558، بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ، بَسند صحیح)

دنیوی علوم کے ساتھ دینی علوم بلکہ دنیوی علوم سے پہلے دینی علوم اس لیے ضروری ہیں کیوں کہ نبی ﷺ نے معاش سے وابستہ دنیوی اصلاحات سے پہلے اخروی کامیابی کی ضامن دینی اصلاحات کی دعا فرمائی ،جیسا کہ ارشاد فرمایا: اللهم أصلح لي ديني الذي هو عصمة أمري وأصلح لي دنياي التي فيها معاشي الحديث۔ صحیح مسلم ،کتاب الذکر ،باب التعوذ من ۔۔۔،ح/2720،بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

جب دنیوی علوم دراصل شرعی علوم ہی کا ایک حصہ ہیں اور انھیں قدرے اہمیت دی جاتی ہے تو جو شرعی علوم اصل ہیں انھیں کس قدر مکمل اہمیت دینی چاہیے۔

دنیوی علوم کے ساتھ دینی علوم اس لیے بھی ضروری ہیں کیوں کہ

☆اللہ تعالی نے ہماری عزت وقوت دین سے وابستگی میں رکھی۔ مستدرک حاکم، کتاب الایمان، ح/208 ،بقول عمر رضی اللہ عنہ۔

☆عصری علوم کے ساتھ شرعی علوم اس لیے ضروری ہیں کیوں کہ شرعی علوم ہی دراصل نفع بخش ہیں جن کے حصول کے لیے دعا سکھائی گئی ہے۔جامع الترمذی،ابواب الدعوات،ح/3599،بروایت ابو

ہریرہ رضی اللہ عنہ،بسند صحیح۔

☆ طلبا رب شناس ،فرض شناس اور تقوی شعار وپرہیز گار بن سکیں۔

☆ طلبا کو ناحق تکفیر وتفجیر جیسے منحرف افکار سے بچا سکیں۔

☆ طلبا کو شبہات وشہوات کے داخلی وخارجی فتنوں کے شکار ہونے سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

ورنہ محض دنیوی علوم کی وجہ سے طلبا کے دل ودماغ سے مذہب کی عظمت ختم ہو جاتی ہے،اور ارتداد کا ڈر لاحق رہتا ہے۔

طلبا میں مذہبی بے اعتمادی وبے اطمینانی بلکہ شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔

طالبات کی عصمت وعفت غیر محفوظ اور طلبا کی پاک دامنی متاثر ہوتی ہے۔

روشن خیالی کے نام پر غیر اخلاقیات بلکہ انسانیت مخالف حرکات فروغ پانے لگتے ہیں۔

حلال وحرام اور جائز وناجائز کی تمیز مٹ جاتی ہے۔

مادیت غالب رہتی ہے اور انسانیت واخروی فکر عنقا ہو جاتی ہے۔

اور محض دنیوی علم لعنت کا سبب بن سکتا ہے۔

علاوہ ازیں طلبا مخرب اخلاق نشاطات اور منشیات کے عادی بن جاتے ہیں۔

اور تو اور مسلم طلبا School Assembly میں روزآنہ شرکیہ کلمات اداکرتے ہوئے اور کفریات وخرافات کا ارتکاب

کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

یاد رہے کہ عصری علوم شرعی کے بغیر ہوں تو دہریت پیدا ہوتی ہے اور دنیوی علوم سے اگر کلی لا تعلق ہو تو رہبانیت کا خدشہ ہو سکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ماضی بعید کی طرح عصر حاضر میں دینی علوم کے نمایاں امتزاج کے ساتھ عصری علوم کا نصاب اور تعلیمی نظام تیار کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ،ملت کے لیے خیر خواہی ونصیحت ہے تاکہ مسلمان اپنی روشن تاریخ کو پھر سے دہرا سکیں اور دونوں جہانوں میں کام یاب ہو سکیں۔

جوہر میں ہو لا الہ تو کیا خوف تعلیم ہو گو فرنگیانہ۔

قارئین کرام ! دین اسلام نے دین ودنیا کے مابین توازن بر قرار رکھا،اسی لیے کہا گیا جب نماز جمعہ ادا کی جائے تو تلاش معاش کرو،اور دعا سکھائی گئی کہ دنیا وآخرت کی بھلائی مانگی جائے ،جنگ بدر کے قیدیوں کا فدیہ دنیوی تعلیم ،زبان وبیان اور کتابت ومخاطبت کی شکل میں رکھا گیا،اور بارہا نظام کائنات پر تدبر کرنے اور آفاق وانفس کا مشاہدہ کرنے کی تلقین کی گئی،اور کتب سیر وتراجم سے پتا چلتا ہے کہ مہاجر صحابہ ماہرین تجارت اور انصار صحابہ ماہرین زراعت تھے۔

علاوہ ازایں علم وتعلیم میں احسان واتقان کی مطلوبہ شکل یہ ہے کہ دینی ودنیوی علوم کے درمیان توازن برقرار رکھا جائے ،لیکن بدقسمتی سے ہم نے عصری علوم کو دینی علوم پر ترجیح دی ،نتیجتاً ہمارے ذہن عصری علوم کے غلام بن گئے ،اوراس میں بہت حد تک غیر شعوری وغیر ارادی طور پر ہم بھی قصوروار ہیں ،اور کسی حد تک ہمارا ناقص تعلیمی نظام بھی ذمہ دار ہے۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

واضح رہے کہ جن عصری مدارس میں ہم دینی داخل نصاب کرنے سے عاجز ہیں وہاں متبادل حل کے طور پر محلے کی ہر مسجد میں صباحیہ ومسائیہ مکاتب کھولنے چاہیے اور ان صحیح نقوش پر دینی وایمانی تربیت کرنی چاہیے۔

☆☆☆

زندگی تو جنت کی ہے

امام ابن الجوزی فرماتے ہیں:

”میں نے اپنے آپ پر غور کیا تو اپنے آپ کو ہر شے سے مفلس پایا۔اگر بیوی پر تکیہ کرتا ہوں تو وہ میری مراد کے مطابق نہیں ہو سکتی۔

حُسن ہے تو اخلاق ناقص ہیں، اخلاق عمدہ ہیں تو مفادات اس کے اپنے ہیں،اور شاید اسے میری موت کا ہی انتظار ہو۔بچوں کو دیکھوں تو یہی معاملہ ہے۔ خادم اور مرید کو دیکھوں تب بھی یہی، اگر انہیں میرے سے کوئی فائدہ نہ پہنچتا ہو تو انہیں مجھ سے کیا مطلب!

دوست ویسے کوئی نہیں ہے،اخوت فی اللہ محض خیالی فلسفہ رہ گیا، اہلِ خیر کا اتہ پتہ رکھنے والے معتقدین راہیِ عدم ہو چکے۔

میں اکیلا رہ گیا ہوں۔اپنے نفس کو دیکھتا ہوں،تو یہ کمبخت بھی مجھ سے مخلص نہیں ہے،کوئی حالتِ سلیمہ اسے راس نہیں آتی۔پس پیدا کرنے والی ذاتِ سبحانی کے علاوہ کوئی بھی باقی نہیں ہے!

اس کی بھی نعمتیں ہیں تو آزمائش کا پہلو لیے ہوئے، اس کے عفو کی امید ہے مگر سزا کا دھڑکا بھی۔

ہاااہ،نہ اطمینان ہے نہ دل کو قرار ہے،

ہائے یہ بے چینی واضطراب کی شدّت،ہائے یہ سینے میں لگی آگ کی حدّت!

اللہ کی قسم،زندگی تو جنت کی ہے۔جہاں ایمان کے ساتھ ہی رضائے الٰہی بھی ہو گی،جہاں معاشرہ خیانت وایذارسانی سے پاک ہو گا۔

رہی دنیا تو یہ بے سکونی کی آماجگاہ ہے اور بس!“

(صید الخاطر لابن الجوزی:ص342)

☆☆☆



عمدة الأحكام، جمعہ کا بیان

فضل الرحمٰن حقانی، خطیب وامام محمدی مسجد نیلسن یو کے

(قسط 57)

کتاب الصلاۃ۔ نماز عیدین سے متعلق

حدیث نمبر 140

عَنْ جُنْدُبِ بنِ عبد الله البَجَلِي رضي الله عَنْه قال: «صلّى رسولُ الله ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ، ثُمَّ خَطَبَ، ثُمَّ ذَبَحَ، وَقَالَ : «مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ، فَلْيَذْبَحْ أُخْرَى مَكَانَهَا، وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللَّهِ».

(رواه البخاري، كتاب العيدين، باب كلام الإمام والناس في خطبة العيد، برقم 985، بلفظه، ومسلم، كتاب الأضاحي، باب وقتها، برقم 1960)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا حضرت جندب بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی (عید الاضحیٰ) کے دن نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا پھر ذبح کیا اور فرمایا: جس نے ذبح کیا پہلے اس سے کہ وہ نماز پڑھے تو وہ اسکی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے ذبح کیا وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرلے (بخاری ومسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی۔

1- يَوْمَ النَّحْرِ: قربانی یعنی عید الاضحیٰ کا دن۔

2- ثُمَّ :پھر، کے بعد۔

3- ذَبَحَ :اس نے ذبح کیا۔

4-قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ :نماز پڑھنے سے پہلے۔

5-فَلْيَذْبَحْ :پس چاہئے کہ وہ ذبح کرے۔

6-أُخْرَى :دوسرا مراد دوسرا جانور۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ نماز عید الاضحیٰ کا وقت صبح سورج کے طلوع ہونے کے تھوڑی دیر بعد شروع ہو جاتا ہے۔

2۔ عید الاضحیٰ کے دن پہلے نماز پھر خطبہ اور پھر قربانی کا جانور ذبح کرنا صحیح طریقہ ہے۔

3۔ قربانی کا وقت نماز عید کی فراغت سے شروع ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی قربانی خود کر رہے ہو یا قربانی کے وقت وہاں موجود ہوں اگر کسی دوسرے ملک سے کوئی شخص اپنی قربانی کا وکیل کسی کو مقرر کرے تو وکیل اپنے وقت اور عید کی نماز کا لحاظ رکھے گا موکل کی عید کے وقت کا خیال نہیں رکھے گا۔

4۔ جس نے نماز ادا کرنے سے پہلے جانور ذبح کردیا وہ قربانی کی حیثیت سے قبول نہیں ہو گا اسے قربانی کا ثواب پانے کے لیے نماز کے بعد دوسرا جانور ذبح کرنا ہو گا۔ البتہ وہ جانور حلال ہے اس کا گوشت وغیرہ کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

5۔ مسئلہ معلوم نہ ہو تو جب معلوم ہو جائے تو پھر اپنے عمل کو صحیح یعنی سنت کے مطابق کرنا ضروری ہے۔

6۔ مسئلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں عمل میں غلطی پر گناہ اور مواخذہ نہیں البتہ علم کے بعد اس کو درست اور صحیح کرنا ضروری ہے۔

7۔ اس حدیث میں علم کی فضیلت اور اہمیت کا بیان ہے، حتی المقدور عمل سے پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

8۔ خطبہ میں امام ضرورت کے مطابق مقتدیوں سے گفتگو کر سکتا ہے جیسے نبی کریم ﷺ نے قربانی کے متعلق کی۔

9۔ خطبہ میں موقع کی مناسبت سے گفتگو کرنے کی اہمیت وضرورت۔

10۔ امام کو مقتدیوں کی غلطی کی اصلاح اچھے انداز اور طریقے کرنی چاہیے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے کی غلطی پر خاموشی خلاف سنت ہے۔

حدیث نمبر:141

عَنْ جابِرٍ رضي الله عَنْه قال : «شَهِدْتُ مَعَ رسول الله ﷺ الصَّلَاةَ يَوْمَ الْعِيدِ، فَبَدَأَ بِالصَّلاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِلا أَذانٍ وَلا إقامَةٍ، ثُمَّ قَامَ مُتَوَكِّئًا عَلَى بِلالٍ، فَأَمَرَ بِتَقْوَى اللَّهِ تَعَالَى، وَحَثَّ عَلَى طَاعَتِهِ؛ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ، ثُمَّ مَضَى حَتَّى أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ، فَقَالَ : «يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ، تَصَدَّقْنَ، فَإِنَّكُنَّ أَكْثَرُ حَطَبِ جَهَنَّمَ» فَقامَتِ امْرَأَةٌ مِنْ سِطَةِ النِّسَاءِ، سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ، فَقَالَتْ: لِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَقَالَ:

«لأَنَّكُنَّ تُكْثِرْنَ الشَّكَاةَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ» قَالَ: فَجَعَلْنَ يَتَصَدَّقْنَ مِنْ حُلِيِّهِنَّ، يُلْقِينَ فِي ثَوْبِ بِلالٍ مِنْ أَقْرطتهِنَّ وَخَواتِيمِهِنَّ».

رواه البخاري، كتاب العيدين، باب موعظة الإمام النساء يوم العيد، برقم 978، ومسلم،كتاب صلاة العيدين، بلفظه، برقم 4- (885)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا

کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس عید کے دن حاضر ہوا آپ نے خطبہ سے پہلے نماز سے ابتداء کی بغیر اذان اور اقامت کے پھر آپ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ وغیرہ کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے اللہ کا تقوی اختیار کرنے کا حکم دیا اور اسکی اطاعت اختیار کرنے کی ترغیب دی اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کی اور پھر آپ خواتین کی طرف چل کر گئے اور فرمایا:

اے گروہ خواتین صدقہ دیا کرو تم میں سے بیشتر جہنم کا ایندھن بنو گی۔ خواتین کے درمیان سے ایک سیاہ رخساروں والی عورت کھڑی ہوئی اور اس نے عرض کیا کیوں یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس لیے کہ تم شکوے شکایات بہت کرتی ہو اور خاوند کی نافرمانی وناقدری کرتی ہو راوی نے کہا عورتیں اپنے زیور میں سے صدقہ و خیرات کرنے لگیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں ڈالنے لگیں۔(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی:

1-شَهِدْتُ :میں حاضر ہوا۔

2-فَبَدَأَ :پس اس نے شروع کیا۔

3-الصَّلَاةِ :نماز۔

4-قَبْلَ الْخُطْبَةِ:خطبہ سے پہلے۔

5-مُتَوَكِّئًا :ٹیک لگائے ہوئے۔

6-وَعَظَهُنِ :ان سب خواتین کو وعظ کیا۔

7-وَذَكَّرَهُنَّ :ان خواتین کو نصیحت کی۔

8-حَثَّ :اس نے ترغیب دی۔

9-مَعْشَرَ :جماعت / گروہ

10- حَطَبُ جَهَنَّمَ :جہنم کا ایندھن

11- مِنْ سِطَةِ النِّسَاءِ :عورتوں کے درمیان سے۔

12-سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ :سیاہ رخساروں والی۔

13- لِأَنَّكُنَّ :اس لئے کہ بیشک تم۔

14-الشَّكَاةَ :شکوہ / شکایت۔

15-الْعَشِيرَ :خاوند۔

16-فَجَعَلْنَ يَتَصَدَّقْنَ :وہ صدقہ دینے لگیں۔

17- مِنْ حُلِيِّهِنَّ :اپنے زیورات سے

18- يُلْقِيْنَ :پھینکنے لگیں۔

19- أَقْرَاطَ :بالیاں۔

20-خَوَاتِيمَ :انگوٹھیاں۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔نماز عید بغیر اذان اور اقامت کے ہے۔

2۔خطیب کے لیے سنت یہ ہے کہ کھڑا ہو کر خطبہ عید دے۔

3۔عید کا خطبہ بغیر منبر کے دینا سنت ہے۔

4۔خواتین مردوں سے الگ جگہ پر نماز ادا کریں گی اور خطبہ بھی الگ بیٹھ کر سنیں گی۔ مردوں کے ساتھ خواتین نہ بیٹھیں چاہے محرم ہی کیوں نہ ہوں۔

5۔خواتین کو بھی عید کی نماز، خطبہ اور دعا میں شمولیت کا تاکیدی حکم ہے۔ البتہ جو نماز نہ پڑھنے والی ہوں وہ نماز نہ پڑھیں مگر خطبہ اور دعا میں شرکت ہوں۔

6۔خواتین اگر فاصلے پر ہوں اور ان تک آواز نہ پہنچے تو خطیب ان کے قریب جاکر وعظ و نصیحت کرے۔

7۔خاوند کا شکوہ شکایت، بے قدری، گالم گلوچ وغیرہ جہنم میں جانے کا سبب ہے یعنی یہ کبیرہ گناہ ہیں۔

8۔صدقہ و خیرات سے انسان اللہ کے قریب ہوتا ہے، اس میں تقوی پیدا ہوتا ہے اور اللہ انسان کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔

9۔خواتین کے لیے زیور پہننا جائز ہے اور اس کے لیے کانوں اور ناک میں سوراخ کرانا جائز ہے۔

10۔خواتین بھی مال کی مالک ہوتی ہیں اور وہ اپنے مال میں سے صدقہ و خیرات کر سکتی ہیں۔

11۔خواتین کو بھی جہنم سے ڈرانا سنت ہے۔

12۔خواتین پر بھی وعظ و نصیحت کا اثر ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ مردوں سے زیادہ ہوتا ہے۔

13۔خواتین بھی امام و خطیب سے دوران خطبہ ضروری گفتگو کر سکتی ہیں۔

14۔کسی خاتون کے جسم کے رنگ وغیرہ کا ذکر کرنا ممنوع نہیں ہے خصوصاً جب وہ اپنے رنگ وغیرہ کی وجہ سے مشہور ہو بشرطیکہ اس میں تحقیر وغیرہ کا پہلو ہو۔

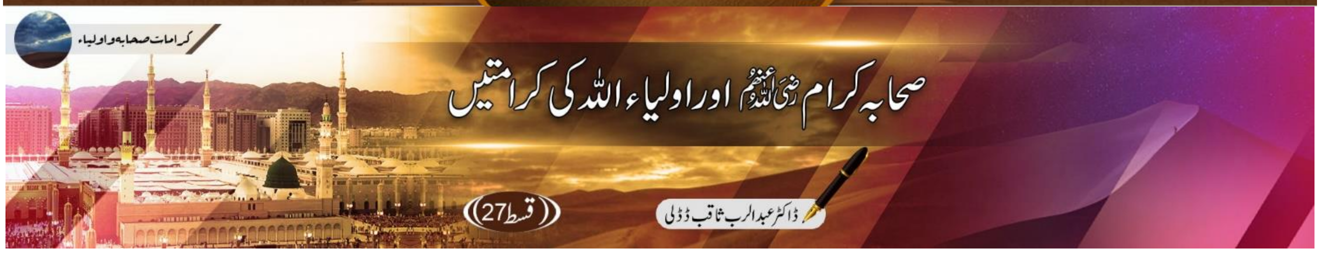
15۔اس حدیث سے بعض لوگوں نے عورت کے چہرے کے پردہ نہ ہونے پر دلیل بنائی ہے جو کہ راجح قول کے مطابق درست نہیں ہے۔

☆☆☆

دوست بنانے کے بارے میں لوگوں کے دو مذہب رہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ دوستوں کا زیادہ ہونا بہتر ہے۔ تا کہ شان و قوت میں اضافہ ہو، محبت و جاہت کے مراسم بڑھیں اور باہم تعاون و خبر گیری پروان چڑھے۔ کسی دانا سے جب پوچھا گیا: زندگی کیا ہے؟ تو اس نے کہا: زمانے کا ہیر پھیر، بادشاہ کی عزت اور دوستوں کی کثرت۔ اور کہا جاتا ہے کہ دوستوں کی کثرت انسان کا حقیقی زیور ہے۔

جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ دوست کم ہوں تو اچھا ہے۔ تا کہ تکلفات اور تعلقات کا بوجھ کم سے کم رہے، اور تنازعات و اختلاف سے دوری بنی رہے۔ اسکندر نے کہا تھا: بغیر پرکھے دوستوں کو جمع کرنے والا ایسے ہے جیسے کوئی پتھروں کی ڈھیری لگا رہا ہو، اور چن چن کر دوست بنانے والا ایسے ہے جیسے کوئی موتی چن رہا ہو۔"

(أدب الدين والدنيا للماوردي: ص276)



صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ کی کرامتیں

(قسط 27)

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی

جامعہ دارالسلام کے نصاب تعلیم کے حوالہ سے لکھ چکا ہوں کہ اس میں قدیم صالح کے ساتھ جدید نافع کو شامل کیا گیا، یہاں ابتدائی درجات سے قرآن مجید اور احادیث کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے، ہم نے تیسری جماعت، جس میں طلبہ کم عمر اور ناتجربہ کار ہوتے ہیں، ترجمہ قرآن مجید اور بلوغ المرام منجھے ہوئے تجربہ کار اساتذہ سے پڑھے۔ تو یہیں مضامین آخری سال تک اپنی معنوی پختگی کے ساتھ پڑھے، یہاں جس اساس پر عمارت علوم دینیہ کی تعمیر شروع ہوتی ہے، اسی خاکہ پر چھت تک پہنچایا جاتا ہے، یہاں اساسی مضامین بطور تبرک یا خانہ پری کے لیے نہیں پڑھائے جاتے، ساتھ ساتھ فقہی مضامین میں قدوری، بدایۃ المجتہد، اور ہدایہ وغیرہ بھی باقاعدہ مقررات میں شامل ہیں ۔ تاکہ مسلمان فقہاء کی خدمات، ان کی علمی مہارت اور اجتہاد و استنباط کے زاویہ کا بھی طالب علم معترف اور قدر دان بن سکے، لیکن تعصب، ضد بازی یا اندھی تقلید کا خوگر نہ رہے، نصوص قرآن و سنت کے مقابلہ میں شخصی آراء کو ترجیح یا دور از کار تاویلات کی روش نہ اپنائے۔

یوں یہاں حق شناسی کے ساتھ عقائد، اعمال، معاملات اور اخلاقیات میں اعتدال پسندی کی آبیاری اور تربیت ہوتی ہے، اس نصاب کے ساتھ جامعہ کے ماحول کے مقام کو مثبت اثرات مختلف اساتذہ کرام کے باہمی برادرانہ روابط کے یومیہ مشاہدات طالب علم کے ذہن میں توسع اور فکر و نظر میں گہرائی پیدا کرتے ہیں۔

جامعہ میں ہمارے آخری تعلیمی سال 1977ء تک اس کے سالانہ جلسہ کو عرف عام میں بخاری جلسہ ہی کہا جاتا تھا، اس کی پہلی نشست درس حدیث کے لیے مختص ہوتی، پھر جامعہ کی رپورٹ، تعلیمی نتائج، تقسیم انعامات وغیرہ وغیرہ کا پروگرام ہوتا، شاید یہ محبت وعقیدت حدیث کا سبب ہو تاکہ گردونواح کے لوگ بڑی تعداد میں اس مجلس حدیث میں خصوصاً شرکت کے لیے جمع ہوتے، آخری سال کے طلبہ کو جو اس سال سند فراغت پانے والے ہوتے اہتمام کے ساتھ انہیں آگے بٹھایا جاتا، ان کے پیچھے منتظمین اور وابستگان جامعہ، مہمان اور پھر زیر تعلیم طلبہ ہوتے ہیں، یہ بڑا ہی پروقار پروگرام ہوتا، جب ہال اور متصلہ صحن لوگوں سے پُر ہو جاتے، شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالواجد عمری رحمانی رحمہ اللہ اپنے حجرہ سے نکلتے، برآمدے اور راہدری سے گزرتے ہوئے مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوتے، شیخ محترم کے کمرہ سے نکلنے اور مسند تدریس پر پہنچنے تک سارا مجمع دم بخود ان ہی کی طرف متوجہ رہتا، مجال ہے کہ اس بڑے مجمع میں کوئی معمولی سی آواز ہو، اس سے ماضی کے حلقہائے حدیث کی یاد تازہ ہو جاتی کہ کس درجہ حدیث کا احترام ہوتا۔

ہم نے دیکھا، معززین جامعہ میں محترم کاکا اسحاق رحمہ اللہ کو جو خانوادہ کاکا کی دوسری لڑی کی آخری کڑی تھے، اپنے افراد خاندان کے ساتھ شامل ہوا کرتے، ان دنوں مقامی لوگ انہیں ساہوکار صاحب کہا کرتے تھے، نکلتا ہوا قد، کسرتی جسم، ابھرتی ہوئی روشن آنکھیں؟ چہرہ مہرہ سے وجاہت، جبہ نما طویل اجلی قمیص، لنگی اور سر پر رومی ٹوپی جو اس وقت معززین کے لباس کا حصہ ہوا کرتی زیب تن کئے ہاتھ میں عصا جو ان کی شخصیت کو مزید پرکشش بناتا، ان کے اطراف اساتذہ، مہمان اور پھر طلبہ بیٹھے ہوتے، جب سب پہنچ جاتے، شیخ الحدیث ہال میں پہنچتے، بلند آواز سے خود سلام کرتے ہوئے مسند پر بیٹھتے، یوں محسوس ہوتا کہ نہ جانے کتنی مدت سے اس کے لیے ریہرسیل کی گئی کہ وقت مقررہ سے دو تین منٹ قبل شیخ پہنچتے، جیسے کسی نے گھڑی کے الارم بجنے کا اشارہ دیا ہو اور درس شروع ہو جاتا، اور آج تک دارالسلام میں پابندی وقت کا یہی دستور چلا آرہا۔ بڑے بڑے اجتماعات میں لوگ وقت سے پہلے جمع ہو کر وقت مقررہ کا انتظار کرتے ہیں، یہاں معززین اور مہمانوں کا وقت ہونے کے بعد انتظار نہیں کیا جاتا، شیخ کا اشارہ پاتے ہی فارغ ہونے والے طلبہ حدیث لکھائی بخاری کی خواندگی کرتے، اور شیخ محترم حسب ضرورت اس کی تشریح کے ساتھ اہمیت حدیث کے متعلق پُر مغز خطاب فرماتے، جس سے عظمت حدیث کے نقوش ہمہ تن گوش مجمع کے گویا دل پر ثبت ہوتے جاتے، پھر شیخ اپنے ہاتھوں سے ان طلبہ کو تین سندیں دیتے اس کے ساتھ ہی پروگرام کی پہلی نشست ختم ہوتی، اور سالانہ اجلاس کی باقی کاروائی شروع ہوتی۔

1۔ **اجازۃ الحدیث**، کہ تم نے جو صحیح بخاری پڑھی ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے ہم تک کیسے اور کن واسطوں سے پہنچی، 2۔ **پھر سند المسلسل بالاولیہ** کہ میں نے اپنے استاذ سے سب سے پہلے کونسی حدیث پڑھی یا سنی، 3۔ **سند مد**، عہد نبوی میں استعمال ہونے والا پیمانہ نما پیالہ جو یومیہ ضروریات اور صدقۃ الفطر کے لیے

مستعمل تھا۔

سند یہ امت محمدیہ کا طرہ امتیاز ہے، سابقہ کسی قوم نے اپنے نبی کی تعلیمات کے ساتھ سند کی حفاظت نہیں کی کہ ان کی باتیں، شرعی مسائل کن واسطوں سے بعد میں آنے والوں تک پہنچے، درمیانی شخصیات کیا لائق اعتماد بھی ہیں، نتیجہ میں انبیاء کرام کی باتوں میں رطب ویابس کی آمیزش ہوتی گئی اور کچھ غلطی سے شامل ہو گئیں اور کچھ عمداً منسوب کی گئیں، بلاشبہ تورات، زبور، انجیل منزل من اللہ ہیں، لیکن اس وقت جو نسخے ہمارے درمیان موجود ہیں، ان کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں کتنی باتیں سچی اور حقیقی ہیں اور کتنی بعد میں آنے والوں نے گھڑی ہیں ۔ حتی کہ موجودہ انجیل کا قدیم ترین نسخہ بھی اصلی نہیں، ترجمہ شدہ ہے اور مترجم کے بارہ میں نہیں معلوم کہ وہ کون تھا اور کس حد تک ترجمہ قابل اعتماد ہے ، لیکن فرمودات نبی ﷺ کو بڑی جانفشانی کے ساتھ محفوظ کیا گیا۔ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالی نے اپنے اوپر لیا کہ آخری نبی کو اسوہ بنا کر بھیجا گیا جو کہ قیامت تک کے لیئے رہے گا، اس کا لازمی تقاضا تھا کہ آپ ﷺ کے ارشادات ، اقوال اور اعمال کا ریکارڈ درست رکھا جائے تاکہ ہر دور میں لوگ اسوۂ نبوی کے مطابق عمل پیرا ہو سکیں:﴿ إنا نحن نزلنا الذكر و إنا له لحافظون ﴾(سورۃ الحجر:9)

اس حفاظت کے لیے ایسے انتظامات کئے گئے کہ یہ ذخیرہ خرد برد زمانہ سے محفوظ رہ سکا، حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو یہاں موجود ہیں میرا پیغام ان تک پہنچا دیں، جو موجود نہیں ہیں۔"

« فليبلغ الشاهد الغائب» اور فرمایا:

« تسمعون ويسمع منكم ويسمع من سمع منكم »"تم یہ باتیں براہ راست سن رہے ہو ، تم سے بعد میں آنے والے اور ان سے ان کے بعد آنے والے سنیں گے۔"(سنن ابو داؤد:3659)

آپ ﷺ نے ان تمام لوگوں کے لیے بشارت اور دعا دی جو آپ ﷺ کی باتیں توجہ سے سنیں، محفوظ رکھیں اور بعد میں آنے والوں تک بلا کم و کاست پہنچائیں۔

«نضر الله امرأ مناسمع شئيا فبلغه كما سمعه فرب مبلغ أوعى من سامع»(جامع ترمذی:2727)

چونکہ آپ کے ارشادات شریعت کا حصہ ہیں، لہٰذا اس میں احتیاط کا حکم دیا گیا، ورنہ اپنی طرف سے کمی بیشی کرنے والوں کے لیے ایک وارننگ دی گئی کہ اس کے لیے جہنم یقینی ٹھکانہ ہے۔

« من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار »(صحیح بخاری:3461؛ صحیح مسلم:3)

حفاظت حدیث کے لیے حفاظت سند بہت ضروری ہے، جب احادیث کے مجموعے مرتب ہو گئے تو سند کی حفاظت یا واسطوں کا ذکر دوسرے درجہ میں چلا گیا کیونکہ ریکارڈ پر چیزیں محفوظ ہو چکی تھیں، اور بہت سے مجموعے وجود میں آئے۔ جیسے مجموعہ احادیث ھمام بن منبہ، 131ھ، جو مشہور صحابی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، مجموعہ سعید بن ابی عروبہ، المتوفی 156ھ، مجموعہ ربیع بن صبیح المتوفی 160، موطا امام مالک المتوفی 179، پھر مشہور کتب احادیث کی تدوین کا سلسلہ جن میں تمام احادیث کو محفوظ کیا گیا۔

یہی وہ ابتدائی دور تھا جس میں سند اور واسطوں کی زیادہ اہمیت اور ضرورت تھی۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"الإسناد من الدين ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء ."''سند دین کا حصہ ہے ورنہ دین میں جو جیسے چاہے کہہ دے گا۔"(مقدمہ صحیح مسلم نمبر2)

امام حاکم نے فرمایا:

"اگر محدثین کی کثرت اور اہتمام سند نہ ہوتا تو اسلام کی چمک ماند پڑ جاتی اور ملحدین اور بدعتی لوگ احادیث گھڑنے لگتے:"لولا كثرة طائفة المحدثين على حفظ الاسانيد لاندرس منار الاسلام ولتمكن أهل الالحاد والمبدعة من وضع الاحاديث."

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

سند کی حفاظت اور تذکرہ اس امت کی امتیازی شان ہے اور ان میں اہل سنت والجماعت کو اللہ نے اس کی توفیق خاص بخشی۔

"الإسناد من خصائص هذه الأمة و هومن خصائص الأمة الإسلام ثم هو في الإسلام من خصائص أهل السنة." (منہاج السنۃ:3217)

جامعہ دار السلام کے ابتدائی دور سے اس کا اہتمام کیا گیا، یہاں ماہرین علوم حدیث سند تدریس کو زینت بخشتے رہے، آیئے آپ کو شیخ الحدیث کی پہلے دن کی کلاس میں لیئے چلتے ہیں، آخری دن کا آپ نے احوال پڑھ لیا جو جلسہ عام کی صورت میں ہوتا۔

ہم بڑی آرزوں اور تمناؤں کے ساتھ شیخ الحدیث کی کلاس میں پہنچے جو جامعہ کی قدیم عمارت کی مغربی جانب کمرہ نمبر 1 سے متصل ہال میں ہوا کرتی، اس کلاس کے لیے طالب علم کو فضیلت سال آخر کا انتظار کرنا ہوتا، ہم سب ساتھی ترتیب سے بیٹھ گئے۔ اب ان میں سے کچھ بقید حیات ہیں اللہ تعالیٰ انہیں صحت وایمان والی زندگی عطا کرے اور کچھ دار فانی سے کوچ گئے، اللہ تعالیٰ ان کی بشری لغزشوں سے عفو و درگزر کا معاملہ فرماتے ہوئے اعلی علیین میں جگہ بخشے۔ آمین

ان ساتھیوں کی تصویری آنکھوں میں آتی ہے تو ضبط کا بندھن ٹوٹنے لگتا ہے۔ بھری جوانی پھولوں، جیسے

چہرے، سہانے خواب، سجائے آج کی کلاس میں بیٹھے شیخ کا انتظار کررہے تھے۔ ان میں جو آسودہ خاک ہو چکے انہیں زندگی کی کم بہاریں دیکھنے کا موقع ملا۔ ”حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے۔“ کا کاعبدالرزاق شاہد، سید افسر باشاہ، عبدالرشید ملیباری، احمد اللہ قریشی، محمد قاسم ہیروری، محمد عاصم بھٹکلی، ان ناموں کے ساتھ رحمہم اللہ لکھتے ہوئے آنکھوں پر قابو اور نہ ہی جذبات پر یارا۔ ان کے ساتھ دار السلام کے در وبام اور عمر آباد کی گلیوں میں گزری کتنی حسین یادیں ہیں۔ بہر حال میں پہلے دن کے تصور میں کچھ دور نکل گیا۔ عربی شاعر امرئ القیس نے اپنے مشہور قصیدہ کا پہلا شعر اسی یاد سے شروع کیا تھا:

قفا نبك مِنْ ذِكرى حبيب ومنزل
بسِقْطِ اللِّوَى بَيْنَ الدَّخُولِ فَحَومَل

”رکو، کچھ دیر کے لیے اپنے محبوب کا ذکر اور اس کی بستی کی یاد میں چند آنسو بہالیں، جو ’دخول‘ اور ’حوملہ‘ کے ٹیلوں کے درمیان ریت کے لیے گم ہو چکی ہے۔“

البقاء لہ وحدہ۔۔ اور ہم اپنے سب محبوب ساتھیوں اور عمر آباد کی گلیوں میں کچھ دیر کے لیے کھو گئے۔

شیخ محترم اپنی جگہ وقار اور اطمینان سے تشریف فرما ہیں، ہم توقع کررہے تھے کہ آپ کتاب صحیح بخاری کھولیں گے اور درس کا آغاز کریں گے، لیکن آپ نے فرمایا کہ علماء حدیث کا یہ طریقہ رہا ہے کہ پہلے حدیث المسلسل بالاولیہ پڑھا کرتے کہ میں نے اپنے استاذ سے پہلے یہی حدیث سنی، انہوں نے اپنے استاذ سے یہی حدیث سنی تھی یوں یہ سلسلہ مشہور محدث تبع تابعی سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ وفات 198ھ تک ایسے ہی پہنچتا ہے، پھر یہ حدیث رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے۔ اللہ اکبر۔

حفاظت حدیث ہی نہیں بلکہ ترتیب اور اسلوب تدریس تک سلامت!

حالانکہ احادیث پڑھنے پڑھانے میں ترتیب آگے بھی ہو جائے تو کوئی حرج یا فرق نہیں پڑتا، لیکن اس ترتیب کی بھی حفاظت کی گئی۔

سفیان بن عیینہ یہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے استاذ ہیں، ان کے متعلق امام شافعی نے فرمایا: اگر امام مالک اور سفیان نہ ہوتے تو حجاز سے علم ہی ختم ہو گیا ہوتا:

" لولا مالك وسفيان لذهب علم الحجاز."

ہمارے استاذ عمر آباد سے متصلہ ٹاون پیارم پیٹ میں پیدا ہوئے، ان کی عطا کردہ سند چند واسطوں سے سفیان بن عیینہ اور وہاں سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے، اور صحیح بخاری کی سند اس سے کم واسطوں سے امام بخاری اور پھر رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے، شیخ محترم کا ایک سلسلۂ حدیث تاریخ برصغیر کا اہم اور معتبر نام جن کا حلقہ حدیث اور سند عالم عرب اور عجم میں بہت مشہور ہے، شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دھلوی رحمہ اللہ ایک ہی واسطہ شیخ الحدیث دار الحدیث رحمانیہ علامہ احمد اللہ میر قریشی رحمہ اللہ سے ان تک پہنچتا ہے۔

اس حیثیت ہم عمری احباب صرف دو واسطوں سے شیخ الکل سید نذیر حسین کے شاگرد ہیں:

عن الحافظ عبدالواجد عن احمد اللہ میر قریشی عن نذیر حسین الدھلوی۔

اور پھر یہ سلسلہ سند کچھ واسطوں سے شاہ ولی اللہ محدث دھلوی سے ہوتے ہوئے آگے بڑھتا ہے، شاہ ولی اللہ کی شخصیت کچھ ایسی بابرکت ہے کہ ہندوپاک میں دی جانے والی سند حدیث کا اکثر سرا خاندان ولی اللہ سے جاملتا ہے، سند کے ابتدائی تین، چار نام الگ الگ ہوتے ہیں، گویا اکثر مدارس دینیہ کے فارغین ایک ہی سلسلہ حدیث سے منسلک ہیں، اس لحاظ سے باہمی اخوت اور محبت کا تعلق ہونا چاہیئے، لیکن برا ہو تعصب، ضد بازی کا مختلف فضلائے مدارس دینیہ کے درمیان اس درجہ دوری بلکہ منافرت ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنے اور ملاقات کرنے کے لیے تک تیار نہیں اور سب ہی سلسلہ ولی اللہ کی سند تھامے ہوئے ہیں۔

شیخ محترم کی دوسری سند شاہ ولی اللہ کے بجائے مشہور فقیہ قاضی یمن علامہ الشوکانی کے واسطہ سے امام بخاری اور پھر رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے، یوں ہمیں چند واسطوں سے فقیہ امت علامہ الشوکانی مصنف نیل الاوطار کی شاگردی کی سعادت نصیب ہوتی ہے، جن کی فقہی بصیرت خصوصا فقہ السنہ اور فقہ مقارن میں بہت نمایاں ہے۔

ہمارے استاذ محترم دار السلام سے فراغت کے بعد دار الحدیث رحمانیہ دہلی پہنچے، اس وقت اس اہم درسگاہ میں نامور علماء تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے اور پھر وقتاً فوقتاً مشاہیر کی وزٹ بھی ہوا کرتی، مشہور عالم دین مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ نے دارالحدیث میں آپ کی تقریر سے متاثر ہو کر مشورہ دیا تھا کہ

تقریر میں اشعار کی طرح آیات قرآنی بھی ترنم کے ساتھ پڑھیں گے تو خطاب مزید موثر ہوگا۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ سے بھی آپ کی ملاقات یہیں ہوئی، وفود کی آمد کے موقع پر عموماً ہونہار طلبہ کا علمی مظاہرہ کروایا جاتا ہے۔ یہاں قیام کے دوران اکثر آپ کو مواقع ملتے رہے۔

پڑھنے میں ذہین اور آگے تھے اس لیئے ایک ہی سال میں کورس مکمل کر لیا، قیام دہلی کے دوران فارغ اوقات میں طبی کتب، طبیب کی نگرانی میں پڑھنا شروع کیا، جب اس کی اطلاع سکرٹری دار السلام جناب کاکا اسماعیل علیہ الرحمہ کو ہوئی تو فوری خط لکھا

کہ آپ کے دہلی میں قیام کا مقصد علم حدیث میں رسوخ پیدا کرنا ہے۔ دیگر علمی مصروفیات کے سبب اصل ہدف میں کوئی خلل واقع نہ ہونے پائے، بہتر ہے کہ توجہ علم حدیث پر ہی مرکوز رکھیئے۔ الحمد للہ ایک برس 1932ء میں کورس مکمل کر کے واپس ہوئے، اور 1933ء سے دار السلام میں مدرس متعین ہو گئے، 1950 میں اس کے منصب اعلیٰ صدر المدرسین ناظم کے عہدہ تک پہنچے، 20 سال تک جامعہ کے مشکل ترین حالات میں کامیابی سے تدریس کے ساتھ انتظامی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے۔ 1971ء میں حکومتی قوانین کے باعث نظامت کے عہدہ سے سبکدوش ہو گئے لیکن بحیثیت مدرس کام کرتے رہے۔

آپ کے بعد صحیح بخاری کی تدریس اب آپ کے ایک ہونہار عزیز شاگرد ڈاکٹر عبد اللہ جولم نیپالی حفظہ اللہ کے حصہ میں آئی، جو دار السلام سے فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری کر کے واپس ہوئے ہیں، قیام مدینہ منورہ کے دوران مشاہیر اہل علم سے بھرپور استفادہ کیا۔ (فقہ اسلامی کے نہایت علمی اور دقیق موضوع پر ڈاکٹریٹ کی۔)

امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

"لوگ اپنے شیوخ سے پہچانے جاتے ہیں۔ مشائخ گزر جائیں تو زندگی کا لطف ہی کیا۔

"إنما الناس بشيوخهم فاذا ذهب الشيوخ فمع من العيش ."

شیخ نے یہ حدیث پہلے خود پڑھی پھر ہم سے پڑھائی:

«الراحمون يرحمهم الرحمن تبارك وتعالى ارحموا من في الارض يرحمكم من في السماء . »

(سنن ابوداؤد:4941؛ جامع ترمذی:1924)

"شفقت کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ مہربانی فرماتا ہے، تم اہل زمین پر مہربانی کرو، عرش والا تم پر رحم فرمائے گا۔"

اساتذہ دین کی کوشش ہوتی کہ ہمارے شاگردوں کے باہمی تعلقات، محبت اور مودت پر استوار ہوں نہ کہ عداوت و منافرت پر یہی جذبہ خلوص عمل کی طرف مائل کرے گا، کیونکہ مسلمانوں کی مثال اپنے سماج میں ایسے ہی ہے۔ جیسے ایک جسم کے مختلف اعضاء، گو کہ ہر عضو کا اپنا اپنا الگ دائرہ کار ہے لیکن سب جسم انسانی کے لئے مصروف رہتے ہیں۔

فرمان نبوی ﷺ ہے:

« ترى المؤمنين في تراحمهم و توادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضو تداعى له سائر جسده بالسهر والحمى»

(صحیح بخاری:6011؛ صحیح مسلم:2586)

ہماری ہمدردی، رحم و کرم کے زیادہ مستحق عزیز و اقارب پھر مسلمان درجہ بدرجہ اس میں شامل ہیں، یہ لطف و عنایت مختلف انداز اور حیثیتوں سے ہو سکتا ہے اس میں صرف انسانوں کے ساتھ ہمدردی کی تعلیم نہیں دی گئی بلکہ تحفۃ الاحوذی میں اس حدیث اول کے حوالہ سے یا اس میں اتنی جامعیت ہے کہ ہر قسم کے انسانوں کے علاوہ چرند پرند مویشیوں کے ساتھ بھی مناسب برتاؤ کرنے کا حکم پایا جاتا ہے اور وہ پاکیزہ صفت ہمدردوں کے لئے ملائکہ کی دعائیں بھی رہتی ہیں۔

﴿الذين يحملون العرش ومن حوله يسبحون بحمد ربهم و يؤمنون به ويستغفرون للذين آمنوا ربنا وسعت كل شيئ رحمة وعلما فاغفر للذين تابوا واتبعوا سبيلك وقهم عذاب الجحيم ﴾

(سورۃ غافر:24)

اس حدیث کی تشریح اور توضیح کے بعد صحیح بخاری کھولی گئی۔

شیخ محترم کی رہائش پیارم پیٹ میں تھی آپ عام سواری بس سے عمر آباد پہنچتے جو کہ مسافروں سے پر ہوتی کوئی احتراماً شیخ کو بیٹھنے کا موقع دے تو ٹھیک ورنہ کھڑے ہو کر ہی اس پیرانہ سالی میں مسافت طے کرتے۔ اس کے باوجود کیا مجال کہ وقت مقررہ سے کبھی تاخیر ہو جائے، وقت سے پہلے پہنچتے، اپنے کمرہ میں مطالعہ یا فتوی نویسی میں مصروف رہتے، وقت کے ساتھ ہی کلاس میں تشریف لاتے اور گھنٹی ختم ہونے تک پر وقار چاق و چوبند پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہتے۔ سال کے اخیر حصہ میں دو گھنٹیاں اکھٹی ہوتیں۔ ایسی صورت میں آدھا وقت گزرنے کے بعد ایک پیالی چائے پی لیتے، وہ بھی اس طرح کہ کسی طالب علم کو چپکے سے اشارہ کر دیتے وہ خاموشی سے لا کر ان کے سامنے رکھ دیتا، کسی قسم کی خلل اندازی کے بغیر، شیخ چائے پیتے ہی جیب سے پیسے نکال کر، وہاں رکھ دیتے، کبھی لگتا کہ حدیث پورے جذب و کیف کے ساتھ پڑھ رہے ہیں۔

حدیث کا متن اور الفاظ ہی نہیں موضوع کے اعتبار سے کبھی تاثرات پیشانی پر ابھرتے، ایک درس تھا، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگنے والے بہتان اور ہرزہ سرائی کے حوالہ سے، جس کربناک حالت سے وہ دوچار تھیں اور پھر وحی نازل ہوئی۔

ام المومنین کی براءت میں، جب ان سے ان کی والدہ نے کہا کہ اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو۔ ام المومنین نے کہا کہ نہیں۔ میں اس مقام پر اللہ رب العالمین کا شکر بجالاتی ہوں:

" ولا احمد الا الله "

شیخ محترم خود جس کیفیت سے یہ پڑھا رہے تھے، بیساختہ وہ کہتے جاتے، یہ ہے توحید! مختلف موقعوں پر

یہ کیفیت ہوتی۔

تیسری سند جو شیخ اہتمام سے دیا کرتے وہ پیمانۂ نبی ﷺ مد کی سند ہے، اسے پیالہ نما پیمانہ ہی سمجھ لیجئے جو عہد نبوی میں استعمال ہوتا، اسی پیمانہ سے چار مد اناج، ایک آدمی کی طرف سے بطور صدقہ فطر ادا کیا جاتا، اور اسی ایک مد سے وضو کر لیا جاتا۔ شیخ محترم نے اس پیمانہ کی سند اپنے استاذ علامہ احمد اللہ سے دہلی میں حاصل کی، جو کہ نبی کریم ﷺ تک پہنچتی ہے، اس پیالہ کے عکس کے مطابق کئی مد بنوا کر اپنے شاگردوں میں تقسیم کرتے اس پیالہ کی ہیئت اور سائز درست رکھنے کے لیے آپ نے بڑی محنت کی۔

شیخ فقہی مسائل اور فتوی نویسی میں صرف کتابی معلومات پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ گردو نواح کے حالات پر بھی نظر رکھتے تھے، خود فرماتے ہیں کہ بہت سے حنفی گھرانوں کے افراد ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کی غلطی کر بیٹھتے ہیں اور انہیں روایتی انداز کا فتوی دیا جاتا ہے کہ رشتہ ختم ہو چکا ہے، یہ حالات سے بے خبری اور فقہ حنفی کے اصول و قواعد کے ساتھ بھی زیادتی ہے، کیونکہ متاثرہ شخص ان فقہی باریکیوں سے نا آشنا ہوتا ہے، سوائے اس کے کہ اس نے حنفی والدین کے گھر میں آنکھیں کھولیں، اور دوسری طرف اس غلطی کا اثر کئی افراد کو بھگتنا ہوتا ہے، اور سنگینی نقصانات مرتب ہوتے ہیں، لہٰذا ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف ایک طلاق واقع ہونے کا فتوی دیا جائے تو یہ روح اسلام کے قریب اور فقہ حنفی سے بھی متصادم نہیں ہوگا کیونکہ وہاں بھی حالات اور نیت کا اعتبار تو کیا جاتا ہے۔

ایسے ہی تقسیم وراثت کے مسئلہ میں ہونے والی غلطیاں یا بے اعتدالی ہے، اگرچہ کہ کسی کی وفات کے بعد اس کے ترکہ کی تقسیم کا شرعی طریقہ واضح ہے، لیکن بگڑے ہوئے سماج میں اس کے مطابق عمل بہت کم ہوتا ہے، اس مسئلہ میں متعدد رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں، خاندان کے بعض طاقت ور افراد چابکدستی یا چرب زبانی سے فتوی بھی حاصل کر لیتے ہیں، اس مسئلہ میں مفتی کو مزید چوکنا رہنا چاہیے، فتوی لکھنے کے بعد شیخ محترم اس پر کسی دوسرے استاذ کی بھی دستخط لیا کرتے، اس میں ایک طرف احتیاط کا پہلو ہوتا کہ فتوی نویسی میں کوئی لغزش نہ ہو گئی ہو اور دوسرا فتوی میں اجتماعیت دکھائی دیتی۔

جامعہ میں ان مصروفیات کے ساتھ خطبہ جمعہ اور دروس کا اہتمام بھی کرتے، اپنے علاقہ کی جامع مسجد روڈ مسجد اہل حدیث میں خطبہ ارشاد فرماتے کبھی حمد وثنا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ سے موسوم اپنے اسلوب خاص میں جب پڑھتے تو سماں بندھ جاتا، عنوانات تذکیری اور اصلاحی زیادہ ہوتے، لیکن اپنی بات حالات حاضرہ سے مربوط رکھتے، گردش کرنے والی کسی اہم خبر پر بھی ضروری تبصرہ کرتے، یوں خطبہ سننے والوں کو اندازہ ہو جاتا کہ شیخ محترم کی حالات پر بھی گہری نظر ہے۔

جامعہ کے جشن طلائی کے موقع پر مختلف اردو، ٹمل اور انگریزی اخبارات اور ریڈیو کے ذریعہ رپوٹنگ ہو رہی تھی، ٹمل ریڈیو کے ذریعہ بیرونی وفود کی تعداد کچھ گھٹا کر بتائی گئی، کم لوگ اس طرف توجہ دیئے ہوں گے لیکن شیخ نے بروقت ان کا نوٹس لیتے ہوئے اصلاح کی، رپوٹنگ میں مبالغہ آرائی غلط ہے تو کوئی بات حقیقت سے گھٹا کر پیش کرنا بھی درست نہیں۔

شیخ محترم برسہا برس پابندی کے ساتھ اسی مسجد میں قرآن بھی سناتے رہے، ایک عالم دین ندوی کسی کام سے رمضان میں پیارم پیٹ پہنچے، انہوں نے شیخ کے پیچھے نماز تراویح ادا کی، وہ شیخ کی تلاوت اور گفتگو سے اتنے متاثر ہوئے کہ اپنے گھر کے ایک لڑکے کو اسی سال دار السلام میں داخل کروا دیا کہ شیخ سے فیض یاب ہو سکے، اہل اللہ کی مجالس روحانی برکات سے خالی نہیں۔

کبھی ہم دو چار ساتھی شیخ کی اقتداء میں جمعہ پڑھنے کے لیے اہتمام سے شریک ہوتے، نماز کے بعد شیخ کے ساتھ ملاقات کرتے۔ شیخ عقیدت مندوں سے ملاقات کرتے ہوئے بیرونی دروازہ تک پہنچتے، وہاں ایک بیل گاڑی منتظر ہوتی، مسجد انتظامیہ کے معززین ان میں بعض متمول اور بڑے تاجر بھی ہوتے، گاڑی کے اطراف کھڑے رہتے، شیخ سوار ہو کر آگے بڑھ جاتے تو معززین وہاں سے حرکت کرتے۔ ماشاء اللہ اب بھی اہل علم کی یہ قدر دانی!!

دوران درس شیخ فصیح زبان بولا کرتے، درس کے بعد حسب ضرورت مقامی لب ولہجہ اور مقامی زبان ٹمل میں بھی گفتگو کرتے۔

اس اہم درسگاہ میں شیخ نے طویل عرصہ خدمات انجام دی ہیں، سینکڑوں شاگرد دنیا کے مختلف حصوں میں مصروف عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان خدمات کو شیخ کے حق میں صدقہ جاریہ بنا کر جنت الفردوس کے اعلیٰ ٹھکانہ میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

محترم قارئین کرام!

آپ نے جامعہ دار السلام عمر آباد کے شیخ الحدیث و ناظم جامعہ اور خطیب جامع مسجد پیارم پیٹ، مولانا حافظ عبد الواجد عمری رحمانی رحمہ اللہ پر مولانا محمد عبد الہادی العمری المدنی کا مضمون پڑھ لیا ہے۔

مولانا نے اپنے استاذِ محترم کے تعلق سے بہت ہی قیمتی معلومات دی ہیں۔ اس میں خصوصیت کے ساتھ شیخ الحدیث کی ہر سال اپنے جامعہ سے فارغ ہونے والے طلبہ کو تین قسم کی سندیں عطا فرماتے۔

ایک سند صحیح بخاری کی، جو دو واسطوں سے شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی تک پہنچتی ہے۔

اور دوسری سند حدیث «المسلسل بالأولیة» کی، یعنی

اپنے استاذ سے کون سی حدیث پہلے پڑھی ہے اور اپنے تلامذہ کو بھی وہ حدیث پہلے پڑھائی ہے۔

تیسری سندِ مُد کی، کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کا وہ پیمانہ، جس کے چار مد کا ایک صاع، یعنی صدقۂ فطر تقریباً پونے تین سیر کا ہوتا ہے اور مد بھی پانی ناپ کر کہ نہ پانی زیادہ ہو اور نہ کم! نبی ﷺ کا یہ مُد جس شکل و صورت کا تھا، بالکل اسی جیسا بنانا اور سند کے ساتھ دوسروں کو دینا، کہ یہ معلوم ہو کہ یہ مد کتنے واسطوں سے نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہے! ناچیز بھی شیخ الحدیث کا شاگرد ہے، جو 1962ء سے 1970ء تک جامع دار السلام عمر آباد میں 9 سال مکمل کر کے مولوی، عالم، فاضل کا کورس مکمل کیا، اور فضیلت کے آخری سال میں شیخ الحدیث سے صحیح بخاری مکمل پڑھنے کی سعادت حاصل کی اور مذکورہ تینوں سندیں بھی حاصل کیں، الحمد للہ!

اور آپ یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ جامعہ دار السلام عمر آباد سے فراغت کے بعد جامعہ کے ذمہ دار کاکا محمد اسماعیل نے حضرت شیخ الحدیث کو جامعہ رحمانیہ دہلی بھیجا، تاکہ وہاں کا کورس مکمل کر کے وہاں سے صحیح بخاری کی سندِ عالی حاصل کریں۔

چنانچہ شیخ الحدیث نے ایک ہی سال میں وہ سند وہاں سے حاصل کر لی اور یہاں جنوبی ہند کے اس جامعہ سے سینکڑوں طلبہ کو صحیح بخاری پڑھا کر وہ سند عطا کی۔ شیخ الحدیث کی بہت سی خصوصیات تھیں۔

یہ مختصر مضمون اس طوالت کا متحمل نہیں ہے۔ سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ پیارم پیٹ کی ایک مسجد کے امام اور خطیب ہونے کے ساتھ جید حافظِ قرآن اور ایک متقی عالمِ باعمل تھے۔ حافظِ قرآن ہونے کی قدر انہوں نے اس طرح کی کہ وہ روزانہ تہجد میں ایک پارہ قرآن مسلسل ترتیب کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اس طرح تہجد میں 40 سے زیادہ قرآنِ کریم مکمل کیے تھے اور اسی مسجد میں 40 سال سے زیادہ نمازِ تراویح پڑھائی، 40 سال سے زیادہ تراویح میں قرآنِ حکیم مکمل کیے۔ چالیس سال سے زیادہ جامعہ دار السلام عمر آباد میں طلبہ کو صحیح بخاری پڑھا کر سندِ حدیث دیتے رہے، جو صرف دو واسطوں سے شیخ الکل سید نذیر احمد محدث دہلوی تک پہنچتی ہے۔ قیام اللیل کرنے والوں کے لیے بعد نمازِ ظہر قیلولہ کرنا بہت ہی مفید ہے۔ شیخ الحدیث کا یہ بھی معمول تھا۔ ویسے قیلولہ سنتِ نبوی ﷺ اور اہل اللہ کا شعار ہے۔ انہی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے ہم ان کو اولیاء اللہ میں شمار کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ وہ عند اللہ ضرور اس کے مستحق ہوں گے۔ شیخ الحدیث کا حلیہ ملاحظہ فرمائیں۔

فربہ بدن، سر پر عمامہ، سفید کرتا اور پاجامہ پر باریک گنجی دیا ہوا ململ کا سفید لمبا کرتا (تاکہ استری جلد خراب نہ ہو) ہاتھ میں چھتری جو عصا کی جگہ استعمال ہوتی تھی۔ چہرہ گول، خوبصورت، رنگ گورا، گھنی داڑھی، دیکھنے میں بارعب شخصیت، قد ذرا پست مگر لحیم و شحیم ہونے کی وجہ سے وہ اوسط قد کے لگتے تھے، زندگی بھر پبلک ٹرانسپورٹ میں سفر کرتے رہے مگر کبھی جامعہ پہنچنے میں تاخیر عمل میں نہیں آئی۔ جب ضعف بڑھ گیا تو جامعہ سے کار پیارم پیٹ پہنچتی اور عمر آباد لے آتی، ان کی مصروفیات کے بعد پھر ان کے مکان پر چھوڑ آتی تھی۔

معلوم ہوتا ہے کہ

شیخ الحدیث کو طالبِ علمی کے زمانہ میں شعر و شاعری کا بڑا شوق تھا، اس لیے جامعہ رحمانیہ دہلی میں طالبِ علمی کے زمانہ میں جب ایک مرتبہ مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی جامعہ تشریف لے گئے، تو منتظمین نے وہاں کے طلبہ کی تقاریر کا پروگرام رکھا، تو ان میں شیخ الحدیث کی تقریر بھی تھی، جو مختلف اشعار سے مزین تھی۔ حضرت میر نے یہ مشورہ دیا تھا کہ آیاتِ قرآن بھی ترنم سے پڑھیں۔

واضح ہو کہ حضرت ابراہیم میر، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان، سینیٹر پروفیسر علامہ ساجد میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کے نانا تھے۔ جو کہ دنیاوی اعتبار سے بھی صاحبِ حیثیت تھے، اور دینی اعتبار سے بھی وہ بڑے عالم کے نانا اور دادا تھے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث مرحوم نے کہا کہ میں نے طالبِ علمی کے زمانہ میں ایک فارسی شعر کا منظوم عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ وہ فارسی شعر یہ ہے:

آں کس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابد الدہر بماند

"وہ شخص جو نہیں جانتا ہے (لیکن بزعم خود) یہ جانتا ہے کہ وہ جانتا ہے، ایسا شخص ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہالت ہی میں رہے گا۔"

شیخ الحدیث کا عربی میں منظوم ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

الذي لا يعلم وهو يعلم أنه يعلم
هو في الجهل يكون المركب أبداً أبداً

اللّٰهُمَّ اغفر له، وارحمه، وعافه، واعف عنه.

☆☆☆

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عاقل کا شیوہ یہ ہے کہ وہ دو بھلائیوں میں سے بہتر کو دیکھتا ہے اور دو برائیوں میں سے کم تر کو اختیار کرتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اہلِ سنت، اگرچہ خوارج اور روافض اور دیگر اہلِ بدعت کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں، سو کہتے ہیں لیکن وہ ان کے دین کے خلاف کفار کی مدد نہیں کرتے اور نہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ کفر اور اس کے علم برداروں کو غلبہ حاصل ہو، خواہ اس کے مقابلے میں کسی بدعت ہی کا ظہور کیوں نہ ہو۔"

(منہاج السنۃ النبویۃ: 6/375)



رسول اللہ ﷺ کا پیغام عصبیت اختیار کرنے والوں کے نام

محمد عبدالرحیم خرم عمری جامعی

تعصب عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ 'ع ص ب' ہے جس میں باندھنے کا مفہوم پایا جاتا ہے، اسی سے 'عصاب' اور 'عصابہ' ہے جو پٹی کے معنی میں ہے۔ یہ لفظ اردو زبان میں بھی مستعمل ہے، جیسے ہم کہتے ہیں: "یہ تعصب کی بات ہے۔" یا ہم یہ کہتے ہیں کہ "یہ آدمی تعصب پسند ہے۔" یا "اس کے دل میں تعصب ہے۔" وغیرہ۔ تعصب کے معنی میں کشادگی پائی جاتی ہے۔ اہل لغت نے اس کا معنی یہ بتایا ہے کہ طرف داری کرنا، پٹی باندھنا، تعصب سے کام لینا، دھڑے بندی، دلیل ظاہر ہونے کے بعد بھی سچ کو نہ ماننے کا نام عصبیت ہے۔

تفسیر بیضاوی میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ

هِيَ مُتَابِعَةُ الهَوَى

"یہ خواہشات کی پیروی کا نام ہے۔" (بیضاوی انوار التنزیل:1/196)

یہ ایمان کے برعکس ہے کیونکہ ایمان کی حقیقت یہ ہے:

" وَنَهَى النَّفْسَ عنِ الهَوى

"ایمان دراصل نفسانی خواہشات سے بچتے رہنے کا نام ہے۔"(سورۃ النازعات:40)

اس ضمن میں ایک واقعہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کچھ اصحاب کرام ایک معرکے سے واپس لوٹے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم ایک چھوٹے معرکے سے نکل کر ایک بڑے معرکے میں اور جہاد اصغر سے نکل کر جہادا کبر کی طرف لوٹے ہو اور اس جہادا کبر کی تعریف آپ نے یہ فرمائی:

" مُجَاهَدَةِ العَبْدِ هَوَاهُ

"بندے کا اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف جنگ۔"

(رواہ الخطیب فی تاریخ بغداد:13/523؛ والدیلمی، البیہقی الزھد:373؛ ضعیف الجامع:4080؛ الجامع الصغیر:6089ضعیف، عن جابر)

جب کہ رسول اللہ ﷺ نے مومن کی یہ صفت بیان کی کہ

لايُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبْعاً لِمَا جِئْتُ بِهِ

"تم میں سے کوئی بھی آدمی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی تمام خواہشات میری شریعت کے مطابق نہ ہو۔"(مشکوۃ المصابیح:167)

عصبیت اپنی حقیقت اور اصل کے اعتبار سے محبت ہی کی ایک شدید اور غیر متوازن اور غیر عادلانہ قسم کا نام ہے، محبت ہر انسان اور جانور میں فطری طور پر پائی جاتی ہے اس میں بے اعتدالی اور عدم توازن پیدا ہو جائے تو وہ 'تعصب' کہلاتا ہے، عربی زبان کا ایک محاورہ ہے:

" حُبُّكَ الشَی يُعْلِی وَيُصِم ." "کسی چیز سے تمہاری محبت تمہیں اندھا بھی بنا دیتی ہے اور گونگا بھی۔" اپنے کسی گروہ، قبیلے، پارٹی، لیڈر اور عقیدے والوں کی ہر غلط بات کو درست ماننے اور اپنے مخالف کی درست بات کو بھی جھٹلانے کا نام 'عصبیت' ہے۔

یہ اگر زبان کی بنیاد پر ہو تو لسانی عصبیت، نسل کی بنیاد پر ہو تو نسلی عصبیت، قومی بنیاد پر ہو تو قومی عصبیت، مذہب کی بنیاد پر ہو تو مذہبی عصبیت، سیاست کی بنیاد پر ہو تو سیاسی عصبیت، مسلک کی بنیاد پر ہو تو مسلکی عصبیت کہلاتی ہے۔ دین اسلام نے اس سلسلے میں ہمہ قسم کی عصبیت کی شدید مخالفت کی ہے اور عدل و انصاف اور تقوی کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

عصبیت دور جاہلیت کی بری عادتوں میں سے ایک عادت ہے۔

اپنی قوم سے محبت عصبیت نہیں: یقینا ہر انسان کو اپنے قبیلے وخاندان اور قوم سے محبت ہوتی ہے اور وہ ان کی خوبیاں اور تعریف کرتے ہوئے تھکتا نہیں ہے اپنوں کے کارناموں پر سینہ چوڑا ہو جاتا ہے، سر فخر سے اونچا ہو جاتا ہے یہ فطرت کا تقاضا بھی ہے اور ہونا بھی چاہئے اور یہ کوئی قابل گرفت بات بھی نہیں ہے اور اس طرح کے طرز عمل میں کوئی عصبیت بھی نہیں ہے حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو بارگاہ نبوی میں ایک خیر کا موقع ہاتھ آیا تو انہوں نے بھرپور کوشش کی کہ یہ سعادت مندی کسی انصاری (یعنی ان کے ہم وطن) کو ہی حاصل ہو اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إنّ الرّجُلَ قَدْ يُحِبُّ قَوْمَهُ إنّ الرّجُلَ قَدْ يُحِبُّ قَوْمَهُ إنّ الرّجُلَ قَدْ يُحِبُّ قَوْمَهُ

آپ نے یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا کہ" آدمی اپنی قوم سے محبت کرتا ہے۔ آدمی اپنی قوم سے محبت کرتا ہے۔ آدمی اپنی قوم سے محبت کرتا ہے۔"(مجموع الزوائد:9/129؛البحر الزخار المعروف بمسند البزار:14/80)

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا يلامُ الرّجُلُ عَلَى حُبِّ قَوْمِهِ

"اپنی قوم سے محبت کے سبب آدمی ملامت نہیں کیا جائیگا۔"(مجموع الزوائد:9/128؛در السحابہ:157)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ

رسول اللہ ﷺ ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:
«خَيْرُكُم الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِيْرَتِهِ مَالَمْ يَأْثَمْ»
"تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو اپنی قوم کا دفاع کرے جب تک کہ وہ گناہوں میں مبتلا نہ ہوں۔" (سنن ابوداؤد:5120؛المعجم الاوسط:6993،اسنادہ ضعیف)

عصبیت کا تعارف: جب قومی و خاندانی و قبائلی محبت فطرت کا تقاضا کرتی ہے تو پھر عصبیت کسے کہیں گے ؟ اپنی قوم کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے دوسروں کو نیچا دکھانا، دوسروں کو طنز و تشنیع کرنا، عار دلانا اور اپنوں کے ظلم زیادتی پر سکوت اختیار کرنا اور ظلم میں اس کی مدد کرنا 'عصبیت' کہلاتا ہے۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ پوچھا کہ اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ 'عصبیت' کیا چیز ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:
«أن تُعِيْنَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلم »
"تو اپنی قوم کا ظلم وزیادتی میں معاون و مددگار بن جائے۔" (سنن ابوداؤد : 5119؛ سنن ابن ماجہ :3949)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ
مِنَ الْعَصَبِيَّةِ أَنْ تُعِيْنَ الرَّجُلَ قَوْمَهُ عَلَى الظُّلْمِ
"عصبیت یہ ہے کہ تم کسی آدمی کی ظلم وزیادتی میں مدد کرو۔"(مسند احمد:17030)

اسی طرح ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ "أَمِنَ الْعَصْبِيَّةَ أَنْ يُحِبّ الرّجُلَ قَوْمَهُ "کیا یہ بات بھی عصبیت میں داخل ہے کہ آدمی اپنی قوم سے محبت کرے؟" یہ سن کر آپ ﷺ نے جواب دیا کہ « لاَوَلَكِن مِنَ الْعَصْبِيَّةِ أَنْ يَنْصُرَ الرَّجُلَ قَوْمَهُ عَلَى الظُّلم»
"عصبیت یہ ہے کہ تم کسی آدمی کی ظلم وزیادتی میں مدد کرو۔"(مسند احمد:16988)

ظلم وزیادتی میں مدد کئی طرح سے ہوتی ہے کہ ظلم و زیادتی کے باوجود یہ کہہ دینا کہ میری قوم و قبیلے و خاندان کا آدمی ایسا کر رہی نہیں سکتا ظلم کے باوجود اس کی پشت پناہی کرنا، بے جا اس کی تائید کرنا، اس کے قصور کو چھپانا، اس کے لئے جھوٹی گواہی دینا، اس کی محبت میں اندھا بن جانا یہ سب باتیں 'عصبیت' کہلاتی ہیں۔

عصبیت کی مذمت: رسول اللہ ﷺ نے عصبیت کی سختی کے سے مذمت بیان کی ہے اور عصبیت اختیار کرنے والوں کو ان کے برے انجام سے آگاہ کیا ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
«لَيْسَ مِنّا مَنْ دَعَالَى عَصْبِيَةِ ، وَلَيْسَ مِنْ مَنْ قَاتَلَ بِعَصْبِيَةٍ ، وَلَيْسَ مِنّامَنْ مَاتَ عَلَى عَصْبِيَة »
"جس نے عصبیت کے نام پر لوگوں کو پکارا وہ ہم میں سے نہیں، جس نے عصبیت کی خاطر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں، جس نے عصبیت پر اپنی جان دی وہ ہم میں سے نہیں ۔" (مختصر سنن ابو داؤد: 35121؛ مرسل : 3/ 415؛ سنن ابوداؤد:5121 ، قال شعیب الأرنوط اسنادہ ضعیف لکنہ صحیح بمعناہ ؛ الجامع الصغیر:7665، صحیح)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
«من قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عَمِيّةٍ يَدْعُوْا إِلَى عَصْبِيَةِ ، أَوْ يَغْضَبُ بعَصْبيّة فَقتلَتَهُ جَاهِلِيّة »
"جس نے اندھی جنگ کے جھنڈے تلے محض عصبیت کی خاطر غصہ ہو کر لڑا، یا اس نے عصبیت کی خاطر کسی کی مدد اور اس میں مارا گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔" (مشکوۃ المصابیح: 2669؛ سنن ابن ماجہ :3948؛سلسلہ صحیحہ:2786،1784)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ
" تَعَصُّبُ الرَّجُلِ لِطَائِفَةٍ مُطْلَقَافِعْلُ أَهْلِ الجاهِلِيّةِ مَحْذُورٌ مَذْمُوم ."
"تعصب یہ ہے کہ جب کوئی آدمی محض اپنا گروہ ہونے کی وجہ سے حمایت کرتا ہے تو یہ اہل جاہلیت کی حرکت ہے جو مذموم اور معیوب ہے۔" (فیض القدیر:5/386)

اگر کوئی آدمی عصبیت کا نعرہ لگاتا ہے جیسے پٹھان پٹھان ایک، شیخ شیخ ایک، خان خان ایک قبیلہ قبیلہ ایک وغیرہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو ناپسند کیا اور اس کی مذمت بیان کی ہے کیونکہ مسلمان ایک امت ہیں فرقہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے جاہلیت کا نعرہ لگایا: «فَهُوَ مِنْ جُثَاءِ جَهَنّمَ »"وہ جہنم کا ایندھن ہے۔"لوگوں نے پوچھا: "وَإِنْ صَامَ وَصَلّى " فقال : «وَإِنْ صَامَ وَصَلّى»
"صحابہ نے کہا کہ اگرچہ کہ وہ نماز پڑھتا ہے اور روزہ بھی رکھتا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا:"اگر وہ نماز ہی پڑھتا رہے اور روزہ ہی رکھتا ہی رہے۔" پھر آپ ﷺ نے فرمایا:
« تُسَمُوا بِاسْمِ اللهِ ، الّذِى سَمّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُؤْمِنِينَ »
"جس نام سے اللہ نے تمہاری نسبت کی ہے اسی نام سے پکارو جس نے تمہارا نام مسلمان اور مؤمن رکھا۔" (مسند احمد: 22910؛ جامع ترمذی: 2863؛نسائی فی سنن الکبری:8866)

عصبیت کا وبال: جب عصبیت کے نعرے بلند ہونگے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اٹھ جاتی ہے اور جنگ مسلط کر دی جاتی ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ
إذا قالت نزار یا نزار ، وقالت أهل يمن يا قحطان ، نزل الضرر ورفع النصر وسلط عليهم الحديد "
"جب اہل نزار عصبیت میں کہنے لگیں گے، اے نزار اور اہل یمن کہنے لگیں گے، اے قحطان۔ تو ضرور یہ

ضرور شر نازل ہو گا اور مدد و نصرت اٹھ جاتی ہے اور جنگ مسائل کر دی جاتی ہے۔"(ابونعیم)

متعصب کی سرزنش: جب بھی کوئی انسان تعصب کا اظہار کرے تو اس کی سرزنش و سرکوبی کا حکم دیا گیا ہے، اس کی حوصلہ شکنی کے لئے گالی بھی دی جاسکتی ہے جیسا کہ حدیث میں ایک واقعہ مذکور ہے حضرت مکحول رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ

"عجرد بن مدرع تمیمی نے کسی سے کہا یا آل تمیم، یہ سب لوگ مشہور صحابی ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ سنا تو فوراً بولنے لگے:

"اعضك اللهُ بِأَيْرِ أَبِيْكَ "

حاضرین نے کہا:

" ماعهدناك يا ابا المنذر فحاشا "

"ابوالمنذر کو تو ہم نے کبھی فحش کلامی کرتے ہوئے سنا نہ تھا۔"

سیدنا ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے یہی حکم دیا ہے کہ جب کسی کو جاہلیت کا نعرہ لگاتے سنیں تو اسے اس طرح نام لیکر گالی دیں، اشاروں اور کنایوں میں نہیں۔"(فیض القدیر تاریخ دمشق:46/61)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"ایک آدمی جاہلیت کی نسبت کے ساتھ منسوب ہوا، حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ وہ اپنے باپ کی شرم گاہ چبائے اور انہوں نے بات کنایۃً نہیں کیا، لوگوں نے تعجب کے ساتھ ان کی طرف دیکھا لیکن انہوں نے کہا: جو چیز تم اپنے دل میں محسوس کر رہے ہو میں اس کو جانتا ہوں، جب کہ میں صرف یہی کچھ کہنے کی طاقت رکھتا ہوں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ

«إِذَا سَمِعْتُمْ مَنْ يَعْتَزِيْ بِعَزَاءِ الجَاهِلِيَّةِ، فَاعِضُوْهُ وَلَا تَكنوا »

"جب تم کسی شخص کو جاہلیت والی نسبتوں کی طرف منسوب ہوتے ہوئے دیکھو تو اشارہ کنایہ کئے بغیر اس کو کہو: " تو اپنے باپ کی شرمگاہ چبا۔" (مسند احمد :9737/9738)

اسی طرح کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ "بصرہ میں ایک شخص نے آواز لگائی کہ "یالعامر" اے بنو عامر! چنانچہ مشہور شاعر نابغہ الجعدی عامر کے خاندان کے کچھ لوگوں کو لے کر آپہنچے۔ راوی کہتے ہیں:

"فَأَخَذَتْهُ شُرْطَ أَبِي مُوسَى فَضَرَبَهُ خَمْسِيْنَ سَوْطًا بِاجَابَةِ دَعْوى الجَاهِلِيَّةِ ."

"گورنر (بصرہ) حضرت ابوموسی کی پولیس نے گرفتار کر لیا اور ان کو جاہلیت کے نعرہ پر لبیک کہنے کے جرم میں پچاس کوڑے مارے گئے۔" (غریب الحدیث لابی عبید)

ایک اور واقعہ حدیث شریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک غزوے میں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، ایک مہاجر نے ایک انصاری کی سرین پر تھپڑ مارا، انصاری نے کہا اے انصاریو! اور مہاجر نے کہا: اے مہاجرو! (ایک دوسرے نے اپنی اپنی قوم کو مدد کے لئے پکارا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ جاہلیت کی پکار کیوں پکار رہے ہو؟ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ایک مہاجر نے ایک انصاری کی سرین پر تھپڑ ماری ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے (عصبیت کو) چھوڑ دو، کیونکہ یہ بدبودار ہے۔" (جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی ﷺ آئے تو انصاری زیادہ تھے اور پھر بعد میں مہاجر زیادہ ہو گئے) عبد اللہ بن ابی (منافقین کا سردار) نے اس بات کو بڑھاوا دیا یا شہرت دی۔ اور کہا: "انہوں نے ایسا کام کیا ہے اگر ہم مدینے واپس پہنچے تو عزت دار ذلت والے کو نکال دے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن اڑادوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔"(سلسلہ صحیحہ:1092؛ صحیح بخاری:4525،4527)

متعصبین کی سزا: عصبیت اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ سخت ترین سزا دے گا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ "6 آدمیوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیں گے، امراء کو ظلم کی وجہ سے، علماء کو حسد کی وجہ سے، عرب کو عصبیت کی وجہ سے، اہل بازار کو خفانت کی وجہ سے، سوداگروں کو کبر کی وجہ سے اور اہل دیہات کو جہالت کی وجہ سے۔"(رواہ الدیلمی وابونعیم عن انس)

تعصب موجب ہلاکت: امت کی ہلاکت کے اسباب میں سے ایک سبب عصبیت بھی ہے، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میری امت ہلاک نہ ہوگی یہاں تک کہ ان میں تمایز تمایل اور معامع ظاہر ہو جائیں۔ میں نے کہا کہ: یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں 'تمایز' کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ 'عصبیت' جو لوگ میرے بعد اسلام میں پیدا کریں گے، میں نے عرض کیا 'تمایل' کیا ہے؟ فرمایا: "ایک قبیلہ دوسرے قبیلے پر حملہ کرتا ہے اور 'ظلما' ان کی جان و مال کو نقصان پہنچاتا ہے میں نے کہا: 'معامع' کیا ہے؟ فرمایا: "ایک شہر والے دوسرے شہر والوں پر حملہ آور ہوں گے اور ان کی گردنیں لڑائی میں ایک دوسرے میں اس طرح مخلوط ہوں گی، آپ ﷺ نے انگلیوں کو آپس میں ڈال کر دکھایا، فرمایا یہ وقت ہوگا جب حکام مں فساد ہوگا اور خواص میں صلاح۔ خوشخبری ہے ایسے شخص کے لئے جس کے خواص کی اللہ تعالیٰ نے اصلاح فرمادی ہے۔"(کنزالعمال)

متعصب کا ٹھکانا جہنم ہوگا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تکون فتنة یقتلون علیها علی دعوی جاهلیة قتلاها في النار

"فتنہ ظاہر ہوگا اس میں لوگ لڑیں گے جاہلیت کے دعوی (یعنی عصبیت) پر دونوں طرف مقتولین جہنم میں ہوں گے۔" (مستدرک)

متعصب کے خلاف جنگ کی اجازت: ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ علاقائی مسلکی، خاندانی وقبائلی عصبیت کو ترک کر کے حقیقی اسلام کی جانب آجائیں۔ حضرت ابو البختری بیان فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ کو لکھا: "لوگوں کو اپنے سلطان سے ایک گونہ نفرت ہو جاتی ہے، میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے اور تم کو ایسی نفرت کا سامنا کرنا پڑے جب دلوں میں کینے پلتے ہیں، دنیا کو ترجیح دی جاتی ہے، خواہشات کے پیچھے دوڑا جاتا ہے اور قبائل پرستی کی جانب دعوت دی جاتی ہے جو کہ شیطانی غرور ہے، پس اگر یہ صورت پیدا ہو جائے تو تم پر تلوار لازم ہے، تلوار لازم ہے، قتال لازم ہے، جب کہ وہ قوم پرستی سے ہٹ کر یا اہل الاسلام! یا اہل الاسلام نہ کہنے لگیں۔ یعنی قوم پرستی اور عصبیت چھوڑ کر اسلام پرستی کی طرف نہ آجائیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 38335)

جو انسان عصبیت کا نعرہ لگاتا ہے یا عصبیت کی گفتگو کرتا ہے یا عصبیت کا پرچار کرتا ہے تو ایسے آدمی کی شہادت نا قابل قبول ہوگی، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جس سے عصبیت ظاہر ہو اور وہ اس کا داعی بھی ہو اس کی شہادت قبول نہیں ہے کیونکہ اس نے حرام کام کیا ہے۔" (السنن الکبری للبیہقی: 21080)

اخوت کا پیغام: ہمارا دین عصبیت کی نفی کرتا ہے اور اخوت وبھائی چارگی کا درس دیتا ہے، اللہ کے نزدیک معیار تو تقوی کا ہے اس لئے خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا إِنَّ آبَائَكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عربي، وَلَا لَاَسْوَدِ عَلَى أَحْمَرِ، وَلَا لأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدِ إِلَّا بِالتَّقْوَى إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ. الاهَلْ بَلَّغْت : قَالُوا: بَلَى يَارَسُوْلِ اللهِ: قَالَ : فَلْيُبَلِّغْ الشَّاهِدُ الغَائِب»

"اے لوگو! خبر دار یقینا تمہارا رب ایک ہے۔ خبر دار آگاہ ہو جاؤ تمہارے والدین ایک ہیں، آگاہ ہو جاؤ کہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور نہ عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل ہے، اور نہ کسی کالے کو گورے پر فوقیت حاصل ہے اور نہ کسی گورے کو کالے پر فوقیت حاصل ہے، مگر تقوی کے بل بوتے پر۔ یقینا اللہ کے نزدیک انتہائی مکرم و معزز تقوی والے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ! بتاؤ کہ کیا میں نے تم تک اپنا پیغام پہنچا دیا ہے؟ سب نے کہا: ہاں کیوں نہیں آپ نے تو پیغام پہنچا دیا ہے۔ فرمایا کہ تم میں سے جو یہاں موجود ہوں وہ یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچادیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں۔" (بیہقی فی شعب الایمان :5137؛ سلسلہ صحیحہ: 2700، اسنادہ صحیح)

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ جو آپ کے غلام تھے انھیں آزاد کیا اور اپنی پھوپی زاد بہن حضرت زینب جحش رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے چند صحابہ کرام کو ماہر قرآن ہونے کی سند دی جن میں ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت سالم بھی تھے، جو قبا میں امامت کرتے تھے اور حضرت عمر اور ابو بکر رضی اللہ عنہما ان کی اقتداء میں نماز ادا کرتے اور جن کی قرآت کی خوبصورتی کو سن کر رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی تعریف بیان کی اور دعا فرمائی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر کو جو غلام بن غلام تھے کوفے کا گورنر مقرر کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قاتلانہ حملے کے بعد حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو امام بنایا جو قبیلہ جدعان کے آزاد کردہ غلام تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں 'سیدنا' کے لقب سے ملقب کیا تھا جو مؤذن رسول کا شرف حاصل کئے ہوئے تھے، جن کے قدموں کی آہٹ کو رسول اللہ ﷺ نے جنت میں محسوس کیا تھا۔ کمزوروں کے ساتھ یہ حسن سلوک اسی لئے تھا کہ اسلام تعصب کا مخالف ہے۔ یہاں تو عزت افزائی تقوی کی بنیاد پر ہے۔

آج کے ترقی یافتہ ممالک نے ترقی کی منزلیں تب طے کیں جب ہر قسم کی عصبیت سے جان چھڑائی، آج یورپ، امریکہ، کینڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ جیسے ممالک آپ کو بلا رنگ نسل، جنس و مذہب کے برابری کے حقوق دیتے ہیں ان کے نزدیک معیار صرف قابلیت ہے، برطانیہ جیسے ملک میں ایک مسلم خاتون حکمران جماعت کی چیئرپرسن منتخب کی جاتی ہے وہ یہ نہیں سوچ رہے ہیں کہ برصغیر کے لوگ کل تک تو ہمارے غلام تھے وہ یہ نہیں سوچ رہے ہیں کہ آج کوئی کیسے ہماری پارٹی کا سربراہ یا لندن کا میئر بن سکتا ہے؟؟ وہ یہ نہیں سوچ رہے ہیں کہ ایک اسلام پسند کو ہم کیسے اپنے قومی وملکی معاملات تفویض کر سکتے ہیں؟ انہوں نے ملکی و قومی ترقی کی خاطر اپنی سوچ اور فکر میں تبدیلی لائی اور دنیا کے خوشحال اور طاقتور بن گئے، افسوس ہے مسلمانوں پر جو رسول اللہ ﷺ کا پیغام بھلا کر، مسلک، فرقہ، قبائل کی عصبیت میں گرفتار ہو گئے اور تنزلی و پسماندگی ہمارا مقدر بن گئی۔

لہٰذا ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ خطبہ حجۃ الوداع پر نظر ڈالیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے عصبیت کی جڑوں کو کاٹ دیا اور رنگ ونسل، خاندان وقبائل، عربی وعجمی، تہذیب وتمدن کی تفریق سے جان چھڑائی، ہم رسول اللہ ﷺ کے اس پیغام کو بھول گئے اور عصبیت ہمارا شعار بن گیا اور ہم زوال پذیر ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں سے تعصب و تنگ نظری کی جہالت کو دور فرمائے۔ آمین

سوالات کے جوابات

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

بدنما ناک کی سرجری کا حکم

سوال: میری ناک اونچی اور اوپر سے ٹیڑھی بھی ہے۔ بچپن سے مجھے اس غیر فطری بناوٹ کی وجہ سے پریشانی لاحق رہی ہے۔ میں نے پلاسٹک سرجری اور خوبصورتی کے بارے میں کافی تحقیق کی ہے اور مجھے اس بات کا علم ہوا ہے کہ اس کی سرجری ایسے کی جا سکتی ہے کہ مذکورہ بدصورتی کا بھی ازالہ ہو جائے اور انسان کی انسانی خصوصیات میں بھی زیادہ تبدیلی نہ آئے۔ میری غرض صرف اتنی ہے کہ ناک کا ٹیڑھا پن کچھ کم ہو سکے اور اس کی قدرتی شکل باقی رہ جائے۔

میں یہ نہیں چاہ رہا کہ ناک کی شکل و صورت میں مغرب زدگی کا شکار ہوں، صرف اتنا چاہتا ہوں کہ ناک کے اوپر کا اُبھار کم ہو جائے اور قدرتی شکل باقی رہے۔

مجھے خوبصورتی نہیں بلکہ احساسِ کمتری کے احساس کو زائل کرنا ہے۔ میں اسی طریقۂ علاج کو اپنانے سے قبل آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔

جواب: بنیادی بات تو یہی ہے کہ صرف خوبصورتی کی خاطر ایسا کوئی علاج نہ کیا جائے کہ جس سے بلا ضرورت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ خلقت کو بدلنے کی خواہش ہو، اس بات سے شریعت میں منع کیا گیا ہے جس کی کئی دلائل ہیں۔

لیکن بعض اسباب کی بنا پر ایسا کیا جا سکتا ہے، جیسے کسی پیدائشی یا حادثاتی عیب کو زائل کرنا ہو، یا کسی بدنی یا نفسیاتی عیب کا ازالہ مقصود ہو تو بقدرِ ضرورت اسے زائل کرنا جائز ہے، جیسے کہ حدیث میں اس شخص کا قصہ بیان ہوا ہے جس کی ناک کٹ گئی تھی تو اللہ کے رسول ﷺ نے اُسے سونے کی ناک بنانے کی اجازت دی تھی۔

اور اسی بنا پر آگے اس مسئلے کو دیکھا جا سکتا ہے، اور وہ یہ کہ ناک قدرتی شکل پر نہیں ہے، اس میں کچھ غیر معمولی اونچائی یا ٹیڑھا پن پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے نفسیاتی طور پر گھبراہٹ رہتی ہے، اور خواہش یہ نہیں کہ اسے بہت خوبصورت بنایا جائے بلکہ اس عیب کو زائل کرنا اور اسے قدرتی شکل عطا کرنا ہے، اور اس مقصد کی خاطر اتنی سرجری کرائی جا سکتی ہے جس سے یہ عیب زائل ہو جائے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ سرجری کامیاب رہے گی اور یہ نہیں ہو گا کہ اس عیب سے بڑا کوئی عیب نکل آئے۔ یعنی علاج بقدرِ ضرورت ہو، اور کوئی شرعی مانع بھی نہ ہو۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ صرف خوبصورتی کی خاطر تو ایسا کرنا جائز نہیں، البتہ کسی ظاہر عیب یا محسوس ضرر کے لیے بقدرِ ضرورت ایسا کرنا جائز ہے۔

(فتویٰ کمیٹی، برطانیہ)

جنسی کمزوری کی بنا پر طلاق کا مطالبہ کرنا

سوال: میں ایک مسلمان شادی شدہ خاتون ہوں۔ شادی کے بعد معلوم ہوا کہ میرا شوہر شدید جنسی کمزوری کا شکار ہے، اور اس بنا پر ہمارے درمیان پانچ مرتبہ سے زیادہ قربت نہیں ہوتی ہے۔ میں نے جب طلاق کا مطالبہ کیا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ یہ صرف یہی ایک عیب نہیں بلکہ وہ نماز بھی نہیں پڑھتا، فاسقانہ زندگی گزارتا ہے، جس کی وجہ سے میں اس سے زیادہ نفرت کرنے لگی ہوں۔ میں چھ ماہ قبل اسے چھوڑ چکی ہوں اور ہمارے درمیان کوئی راہ و رسم باقی نہیں رہی، لیکن وہ اب بھی مجھ سے محبت کا دم بھرتا ہے اور مجھے طلاق نہیں دیتا۔ لیکن میں کسی صورت اس کے ساتھ ازدواجی زندگی نہیں گزار سکتی، خواہش ہے کہ کسی اور کے ساتھ صحیح ازدواجی زندگی گزاروں۔

میرے پاس بطورِ ثبوت ایسی تصاویر ہیں جو شوہر کی جنسی کمزوری ظاہر کرتی ہیں، جو بوقتِ ضرورت پیش کر سکتی ہوں تاکہ میری کوفت اور تکلیف کا اندازہ ہو سکے۔ مجھے ان سوالات کے جوابات درکار ہیں۔ میں جرمنی میں اقامت پذیر ہوں، جہاں کوئی شرعی ادارہ نہیں ہے جو مجھے طلاق دلوا سکے۔

کیا میں اس کی جنسی کمزوری اور اپنے اوپر واقع ہونے والے ضرر کے سبب فسخِ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہوں؟

اگر کسی شرعی عدالت تک رسائی نہ ہو اور شوہر خود طلاق دینے پر راضی نہ ہو تو کیا میرا نکاح بذاتِ خود فسخ سمجھا جا سکتا ہے؟

اور ایسی صورت میں شریعت کا کیا تقاضا ہو گا؟

جواب: نبی ﷺ کا قول ہے:

«لا ضرر ولا ضرار»

کہ نہ تم کسی کو ضرر پہنچاؤ اور نہ ہی ضرر کو اپنے اوپر قبول کرو۔

لہٰذا اگر ضرر کا واقع ہونا یقینی ہو، جس کی ایک صورت جنسی کمزوری بھی ہے، جو نکاح کے اصل مقصود کو حاصل کرنے میں مانع ہے، اور پھر اس کے علاوہ شوہر میں دوسرے عیب بھی پائے جاتے ہیں، جیسے فسق و فجور کا اظہار کرنا، نماز نہ پڑھنا، تو یہ اسباب فسخِ نکاح

کے لیے کافی ہیں۔

اگر صرف جنسی کمزوری ہی ہوتی تو اس کے لیے علاج کا وسیلہ موجود ہے، اور پھر بھی اگر یہ عیب دور نہ ہوتا تو بھی عورت کے پاس اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ اسے محبت کرتی ہے تو صبر و شکر کے ساتھ اس کی بیوی بن کر زندگی گزار دے، یا بعد میں ایسے شوہر سے علیحدہ ہو جائے، یا پھر خلع کا مطالبہ کرے، اور خلع یا فسخ حاصل ہونے کے بعد بنیادی اصول تو یہی ہے کہ فسخ نکاح کے لیے کسی شرعی عدالت یا اس کے قائم مقام کسی ادارے کی طرف رجوع کیا جائے، لیکن اگر ایسا کوئی انتظام نہ ہو تو مقامی طور پر کسی اسلامی مرکز کی طرف رجوع کیا جائے یا کسی مصالحتی جمعیت (Mediation) کا سہارا لیا جائے جو طرفین میں مصالحت کرانے کے سلسلے میں معروف ہو۔ ایک عورت از خود نکاح کو مفسوخ نہیں شمار کر سکتی، کیونکہ یہ ایک انتہائی سنجیدہ معاملہ ہے جس میں احتیاط لازم ہے۔

3۔ اگر فسخ، خلع یا طلاق کا فیصلہ ہو جائے تو پھر عورت اپنی عدت شروع کر سکتی ہے، اور اس کی تین صورتیں ہیں:

اگر حمل نہیں ہے تو تین حیض شمار کرے۔

اگر حمل ہے تو بچے کی ولادت یا حمل ختم ہونے کی کوئی دوسری صورت ہو جائے تو عدت بھی تمام ہو جائے گی۔

اگر حیض نہیں آتا ہے تو تین قمری مہینے انتظار کرے۔

اگر وہ دوسری شادی کرنا چاہے تو عدت کے ایام کا پورا ہونا ضروری ہے۔ (فتویٰ کمیٹی، برطانیہ)

☆☆☆

کیا اسقاطِ حمل جائز ہے؟

سوال: ایک حساس مسئلے کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ میرے ایک دوست کا نومولود بچہ ولادت کے بعد تھوڑے سے وقت میں فوت ہو گیا۔ اسے ایک نادر قسم کا وراثتی مرض لاحق تھا جسے (MMDS3) کہا جاتا ہے۔ زوجین دونوں ہی DNA میں جینیاتی خلیے کی غلط ترکیب کے آثار رکھتے تھے، اور یہ اتنی سنگین نوعیت کے تھے کہ بچے کا زندہ رہنا مشکل تھا۔

ڈاکٹروں نے اب یہ بتا دیا ہے کہ آئندہ اگر حمل ٹھہرے تو اسی مرض کی بنا پر بچے کی زندگی کو سخت خطرہ لاحق رہے گا، اور اگر وہ زندہ رہے بھی تو اس کی صحت بری طرح متاثر رہے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر دورانِ حمل حاملہ کی جسمانی جانچ کے بعد اس بات کا یقین کر لیں کہ جنین کو مذکورہ مرض لاحق ہے تو کیا وہ اسقاطِ حمل کرا سکتے ہیں، یا انہیں ہر صورت حمل کو باقی رکھنا چاہیے، حالانکہ ڈاکٹر یہ بھی بتا چکے ہیں کہ اگر بچے کی ولادت ہو بھی گئی تو وہ چند گھنٹوں یا چند دنوں کا مہمان ہو گا؟

جواب: بنیادی طور پر تو اسقاط کرانا شرعاً حرام ہے، کیونکہ یہ ایک جان کو ختم کرنے کی صورت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ (الأنعام: 151)

اور جس نفس کے مارنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، اسے ناحق قتل نہ کرو۔

فقہاء نے اسقاط کے کچھ ضوابط بنائے ہیں کہ جن کا تعلق روح کے جنین میں پھونکے جانے سے ہے۔

1- نفخِ روح، یعنی حمل کے پہلے ایک سو بیس (120) **دن کا مرحلہ:**

اگر قابلِ اعتماد اسپیشلسٹ ڈاکٹروں نے یہ رپورٹ دی ہو کہ جنین ایسے خطرناک وراثتی مرض کا حامل ہے، جو اگر زندہ بھی رہے تو انتہائی تکلیف کے ساتھ زندگی بسر ہونے کا امکان ہے، تو ایسی صورت میں ضرر کے ازالے کے لیے نفخِ روح سے قبل اسقاط کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک شرعی قاعدہ ہے کہ جہاں ضرورت ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے۔ کئی فقہی ادارے یہی فتویٰ دے چکے ہیں۔

2- نفخِ روح، یعنی ایک سو بیس (120) دن کے بعد:

اگر مرض کی تشخیص ہو چکی ہو، تو اسقاط بالکل ناجائز ہے، الا یہ کہ ڈاکٹر اس بات کا غالب امکان ظاہر کرتے ہوں کہ

اگر یہ حمل باقی رہا تو پھر ماں کی جان خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ روح پھونکے جانے کے بعد جنین اب ایک فرد کی جان کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن ماں کی جان بچانے کے لیے ایسا کیا جانا ضروری ہے، بشرطیکہ کم از کم دو یا تین ڈاکٹروں کی متفقہ رائے کے بعد ایسا کوئی قدم اٹھایا جائے۔ (فتویٰ کمیٹی، برطانیہ)

☆☆☆

طلاق کے بعد عورت کے نان و نفقہ سے متعلق احکامات

سوال: میں جرمنی میں رہائش پذیر ایک مسلمان عورت ہوں۔ خاوند سے طلاق کا مقدمہ چل رہا ہے۔ میں چونکہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا چاہتی ہوں، اس لیے مجھے مندرجہ ذیل سوالات کا جواب مطلوب ہے تاکہ شرعاً میں بری الذمہ قرار پاؤں۔

وہ نفقہ جو شوہر نے بیوی کو نہیں دیا، کیا وہ اس کے ذمے واجب الادا ہو گا؟

کیا رہائش مہیا کرنا واجب نفقہ کا حصہ ہے، چاہے وہ حکومت کی جانب سے مہیا کر دی گئی ہو؟

اگر حکومت کی طرف سے مالی امداد ملتی ہو تو شوہر کے ذمہ نان و نفقہ کی ادائیگی ساقط ہو جائے گی یا اس میں تخفیف حاصل رہے گی؟

جیسے مہر مؤخر وغیرہ جو ابھی تک ادا نہیں کیا گیا، شوہر کے ذمے واجب الادا ہے، ایسے ہی وہ نفقہ جو شوہر نے ازدواجی زندگی میں ادا نہیں کیا، کیا اس کا مطالبہ

بھی کیا جا سکتا ہے؟

مجھے واضح شرعی احکامات بتائے جائیں تاکہ مجھے اطمینانِ قلب حاصل ہو۔

جواب: 1۔ جہاں تک نان و نفقہ کا تعلق ہے تو وہ مرد پر واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾(البقرۃ:233)

”بچے کے باپ پر دستور کے مطابق ان (ماؤں) کے کھانے اور لباس کی ذمہ داری ہے۔“

اسی طرح حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ

ابو سفیان رضی اللہ عنہ بخیل آدمی ہیں اور انہیں مناسب نفقہ نہیں دیتے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دی کہ:

«خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ»

ترجمہ: تم اپنے اور اپنے بچے کے لیے دستور کے مطابق جتنا کافی ہو، ان کے مال سے لے سکتی ہو۔

لہٰذا اگر شوہر نے واجب نفقہ ادا نہیں کیا، اور عورت کا یہ حق ثابت ہو جائے یا عدالت اس کا فیصلہ کر دے، تو وہ نفقہ شوہر کے ذمے واجب الادا رہے گا۔ البتہ نفقے کی مقدار شوہر کی مالی حیثیت کے مطابق متعین کی جائے گی؛ اگر وہ مالدار ہے تو اس کی وسعت کے مطابق، اور اگر تنگ دست ہے تو اس کی استطاعت کے مطابق۔

2۔ رہائش کی فراہمی بھی نان و نفقہ ہی کا حصہ ہے اور خاوند کے فرائض میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ﴾

(الطلاق:6)

”انہیں وہاں رہائش دو جہاں تم اپنی استطاعت کے مطابق رہتے ہو۔“

جب مطلقہ عورت کو بھی عدت کے دوران رہائش دینا واجب ہے تو بیوی کو، بدرجہ اولیٰ، رہائش فراہم کرنا واجب ہوگا۔

اگر حکومت نے میاں بیوی کی مالی حالت کو دیکھتے ہوئے رہائش فراہم کر دی ہے تو اس ضرورت کی تکمیل ہو گئی۔ یعنی جہاں شوہر رہ رہا ہے، بیوی کو بھی وہاں رہنے کا حق حاصل ہوگا۔

3۔ تیسرے اور چوتھے سوال کا جواب بھی اسی میں آ گیا۔ اگر حکومت میاں بیوی کی مالی تنگی کی وجہ سے مالی امداد فراہم کر رہی ہے تو اس سے نان و نفقہ اور رہائش کی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔

البتہ یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر شوہر خود کمانے کی استطاعت رکھتا ہے تو حکومت عموماً مکان کا پورا کرایہ ادا نہیں کرتی بلکہ اس کی آمدنی کے مطابق کرائے میں معاونت کرتی ہے۔

4۔ جہاں تک مہرِ مؤخر کا تعلق ہے، اگر وہ ابھی تک ادا نہیں کیا گیا تو وہ شوہر کے ذمے واجب الادا رہے گا۔

البتہ یہ بات یاد رہے کہ اگر شوہر اپنی طرف سے طلاق دیتا ہے تو اسے مہر پورا ادا کرنا ہوگا، جبکہ اگر عورت خلع کا مطالبہ کرتی ہے تو عام اصول کے مطابق اسے وصول شدہ مہر واپس کرنا ہوگا۔

موافقتِ اراکینِ فتویٰ کمیٹی برطانیہ

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

مفتی برکت اللہ (لندن)

ڈاکٹر بسّام شطّی (کویت)

ڈاکٹر نعیم الرحمٰن (مانچسٹر)

ڈاکٹر محمد علی بلاؤ (برمنگھم)

محمد جان شیر خان نے اس کارروائی کو انگریزی زبان میں تحریر کیا۔

حقیقتِ توحید

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

إنّ حَقِيقَةَ التَّوْحِيدِ أَنْ نَعْبُدَ اللّٰـهَ وَحْدَهُ، فَلاَ يُدْعَى إِلاّ هُوَ، وَلاَ يُخْشَى إِلاّ هُوَ، وَلاَ يُتّقَى إِلاّ هُوَ، وَلاَ يُتَوَكّل إِلاّ عَلَيْهِ، وَلاَ يَكُونُ الدِّينُ إِلاّ لَهُ، لاَ لأَحَدٍ مِنَ الخَلْقِ، وَأَلاّ نَتخِذَ المَلاَئِكَةَ وَالنَبِيّين أَرْبَابًا، فَكَيْفَ بِالأَئمّةِ، وَالشُيُوخِ، وَالعُلَمَاءِ، وَالمُلُوكِ، وَغَيْرِهِم.

”توحید کی حقیقت یہ ہے کہ ہم صرف اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں۔ محض اسی کو پکارا جائے، اسی سے ڈرا جائے، اسی کا خوف رکھا جائے، صرف اسی پر توکل کیا جائے، اطاعت ہو تو صرف اسی کی، نہ کہ مخلوق میں سے کسی کی۔ توحید کا یہ بھی تقاضا ہے کہ ہم فرشتوں اور نبیوں کو رب نہ بنائیں، ائمہ، مشائخ، علما اور بادشاہوں کا تو ذکر ہی کیا۔“

(منہاج السنۃ النبویۃ:490/3)

☆☆☆

لوگوں کی ضروریات پوری کرنا

امام ابو داؤد طیالسی رحمہ اللہ کا بیان ہے:

”ہم محدث شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے تھے کہ سلیمان بن مغیرہؒ روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے: میرا گدھا مر گیا ہے، تو میرا جمعہ بھی ضائع ہو گیا اور ضروریات بھی پوری نہیں کر پا رہا۔

امام شعبہ رحمہ اللہ نے پوچھا: ”گدھا کتنے میں خریدا تھا؟“ کہا: ”تین دینار میں۔“

امام شعبہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

”میرے پاس یہ تین دینار ہیں اور ان کے سوا کچھ بھی موجود نہیں۔ پھر وہ دینار سلیمان کو دے دیے۔“

(سیر اعلام النبلاء:211/2)



پس ہر چند این ہر دو قسم در کارخانۂ سلطنت مندرج است اما قسم اول را بہ نسبت قسم ثانی مرتبئے ہست کہ بر ہیچ یکے از عقلاء پوشیدہ نیست۔ مثلاً ہر کس را از آحاد سپاہیان و رعایا احکام مندرجۂ فرامین را تحقیق باید کرد و در جمیع جنود، اضلاع و اقالیم تشہیر باید نمود و در ہر جماعت و گذر اشتہارات بر سر چوبے بلند تعلیق باید کرد و در ہر کوچہ و بازار بزبان منادیان بآواز بلند اعلان باید کرد و در محفل و مجلس ذکر آن باید ساخت و ہر کاتب و امّی را تفتیش آن باید نمود۔ اگر خود زباں‌دان است فبہا و الا زباں‌دانی دیگر ہر کہ بدست آید بے تعیین احدے تحقیق باید کرد و ہرگز بر تحصیل زباں‌دانی موقوف نباید داشت۔ و ہر کس و ناکس را از سپاہیان و آحاد رعایا تمیز امیر عسکر خود از سایر امرائے عساکر و رئیس جماعت خود از سایر رؤساء جماعات و ناظم ضلع از سایر ناظمان اضلاع و فوجدار بلدہ خود از سایر فوجداران بلاد و گذربانان محلہ خود از سایر گذربانان محلات لازم آمد، و التزام اطاعت حاکم خود بالتعیین در جمیع احکام متعلقۂ حکومت، نہ آنکہ در بعضے احکام مذکورہ اطاعت حاکمی نمایند و در بعضے دیگر اطاعت حاکمے دیگر، و اظہار انتساب خود (بحاکم خود۔ یہ الفاظ نسخۂ اشرفیہ میں نہیں۔ بہاء) بخصوصیت در مقام حاجت، خواہ باقرار لسان باشد کہ از جماعت فلانیم نہ از جماعت فلانے، یا از گذرِ فلانیم نہ از گذرِ فلانے، خواہ بکتابت قلم در کواغذِ معاملات، خواہ باظہار شعار آن جماعت مخصوصہ در لباس، بحیثیتے کہ از سایر جماعات امتیاز حاصل شود، ہمہ از ارکان انسلاک خود در سلک ملازمان بادشاہ و رعایائے سلطانیہ، و ہمچنیں تعیین عساکر بتعداد اشخاص و تعیین اضلاع و محلات بتحدید حدود کہ این قدر اشخاص از منتسبان فلاں امیر اند و این قدر از منتسبان فلاں، و از این مقام تا بفلاں مقام از متعلقات فلان است و از این مقام تا بفلاں مقام از متعلقات فلاں، ہمہ از ارکان نظم و نسق سلطنت است، بخلاف قسم ثانی کہ ہر کس را از عوام سپاہیان و آحاد رعایا تحقیق کردن احکام مستنبطۂ عقلاء و مصالح معینۂ مدبرین و لطائف و محاورات منشیان دفاتر و وقائع‌نگاران ضرور نیست، و تشہیر امور مسطورہ در جماعات جنود و مجامع امصار و معلق ساختن دفاتر مذکورہ در ہر گذر بطریق اشتہار و منادی کردن آن در کوچہ و بازار و تذکرۂ آن در محفل و مجلس و افتادن بر واقف و ناآواقف در پئے تفتیش آن تابع است از محافظت آئین سلطنت، بلکہ اگر باوجود عقل و فطانت تعمداً این امر ازو صادر گردد اغلب کہ جرمے باو عائد گردد و نوعے از بغی باو منسوب شود، و الا بکمال حماقت و سفاہت متہم خواہد گردید۔ و ہمچنیں تعیین شخصے معین از طرف خود بدون تعیین حکام از چوبداران و ہرکارہا کہ اگر فرمان سلطانی بمعرفت او رسد قبول باید کرد، و اگر بمعرفت غیر او از ہرکارہائے معتبرین برسد قبول نباید کرد، یا تعیین شخصے از عقلاء فاہمین و ماہرین و مدبرین کہ احکام مستنبطۂ او یا مصالح نافع مستخرجۂ او باید شنید، و احکام و مصالح دیگرے اگرچہ از جنس عقلاء و مدبرین باشد نباید شنید، و اگر احیاناً از بعضے عقلاء و مدبرین عندالحاجت حکمے از احکام مستنبطۂ او و مصلحتے از مصالح مستخرجۂ او استفسار نمودہ، آن را بعمل آورد، پس بار دیگر از کسے دیگر استفسار ننماید و بر آن عمل نکند، بلکہ دائماً خود را از منتسبان ہماں شخص اول شمارد، و در ہر محفل و مجلس اظہار انتساب خود باد و نفی انتساب بغیر او لازم نماید، و ہر گاہ کہ نام و نسب خود را در کواغذ معاملات بنویسند، این نسبت را ہم دراں مندرج سازد، مثلاً بایں وضع بنویسد: منکہ فلاں ابن فلاں ملازم حضور والا منسلک در رسالۂ فلاں ام، و در برابر آن این ہم بنویسد: تربیت یافتۂ فلاں کہ در مقدمات خود بر مشورہ و مصلحت فلانے عمل مے‌نمایم، و امثال این امور ہمہ مبنی بر بلاہت و نادانی است۔ بالجملہ التزام اتباع شخصے معین از عقلاء و مدبرین در باب اخذ احکام استنباطیہ و مصالح نافع از ارکان انسلاک کسے در سلک متعلقان بادشاہ نیست۔ ہمیں قدر ضروری است کہ ہر گاہ بسوئے چیزے از احکام و مصالح مذکورہ حاجتے پیش آید، از عاقلے و مدبرے کہ بدست آید تفتیش آن نماید، اما از اول ہمت بستن بر آنکہ اگر حاجتے بسوئے امور مذکورہ مرا پیش خواہد آمد، از فلانی بالخصوص یا از کسے از ایشاں بالعموم خواہد پرسید، پس اصلاً از ضروریات انسلاک مذکورہ نیست، و اما تحصیل انتساب خود بشخصے معین از ایشان و اظہار اختصاص قولاً و فعلاً و اہتمام بامتیاز خود از منتسبان دیگران، پس سفاہت در سفاہت است، و اگر این دعوی با او منضم گردد کہ رعایت اختصاص مذکور از احکام مندرجۂ آئین سلطانی و فرامین بادشاہ است، دریں صورت اظہار اختصاص مذکور از اقبح جرائم شمردہ خواہد شد۔ و اگر ہوشیار منصف دریں مقام تأمل عمیق فرماید، البتہ بر او واضح خواہد گردید کہ اوامر عقلاء و مدبرین در حق آحاد الناس اصلاً واجب‌الاطاعت نیست، بلکہ طریق آن اینست کہ ایشاں امراء را بر آن آگاہ سازند، و آن امراء اگر مناسب وقت دانند، آن را در عوام الناس بوجہے از وجوہ اجراء کنند۔ پس بایں طریق احکام مذکورہ بہ نسبت عوام الناس در ایام امارت آن امیر واجب‌الاطاعت می‌گردد۔ و چون این تمثیل ممہد شد، پس باید دانست کہ حضرتِ مالک علی‌الاطلاق و ملک بالاستحقاق جلت قدرتہ، بنا بر نظم و نسق ملت حق، دو کارخانۂ عظیم قائم فرمودہ۔ اول آنست کہ مدار شیوع ملت بر آنست، و آن کارخانہ است کہ بایشاں ملکیہ تعلق دارد، یعنی تکلیف بندگان خود بسوئے اطاعت خود بطریق جبر و الزام کہ چار و ناچار آن را قبول باید کرد، و طوعاً و کرہاً ربقۂ اطاعت در گردن خود باید انداخت، و مرکز این کارخانہ منصب

رسالت است، و فروع آن مناصب اولی‌الامر است از خلفاء راشدین و آئمه عادلین و امرائے جنود مجاہدین و قضاۃ امصار مسلمین و نواب ایشان از مصدقین و محتسبین۔ پس فرمان عالی‌شان یعنی قرآن واضح‌البیان و پروانه‌جات علیه و اشتہارات جلیله از احادیث قدسیه، اولاً بسوئے رسول مقبول خود وحی فرمود، و قوانین و آئین بنا بر ایضاح مضامین فرامین که مسمی بسنت نبویه است، در دل ہدایت‌منزل او الہام نمود، و ثانیاً بمساعی نائبین مذکورین در ہمه اقطار و اکناف عالم شائع و ذائع گردانید، و ہمه بندگان خود را باطاعت او و نوابان او جبراً مکلف گردانید، یعنی ہر که گردن خود را در اطاعت بنہد، در دنیا مأمون و در عقبی از اہل نجات معدود است، و ہر که گردن‌کشی نماید، در دنیا مباح‌الدم و در عقبی مطرود، و ہمه اعمال او باطل و مساعی او مردود، و بناءً علیه جہاد کفار و قتال بغاۃ و قتل مرتدین و اقامت حدود و تعزیرات بر فساق و امثال آن از احکام سیاست از عمدۂ ارکان دین شمرده شد۔ و کارخانۂ ثانی بمشابه متممات اول و مکملات اوست۔ و آن کارخانه است که بشان ربوبیت تعلق دارد، یعنی مہیا کردن اموریکه بندگان را در باب امتثال احکام الٰہیه و اتباع سنت نبویه بآں احتیاج پیش مے‌آید، و مرکز این کارخانه منصب حکومت است، و فروع آن مناصب علماء و اولیاء است از قرّاء و محدثین که احکام الٰہیه و احادیث نبویه بجمیع امت می‌رسانند، و مجتہدین شریعت که احکام قیاسیه استنباط مے‌نمایند، و شیوخ طریقت که بنا بر نظر بمصالح وقت تدبیرے برائے اجراء سنت استخراج مے‌فرمایند، و آئمۂ لغت و تفسیر و عربیت که نکاتِ محاورات و قوانین زبان‌دانی ایضاح مے‌نمایند، و واضعین کتب فقه و جامعین فتاوی و مصنفین رسائل سلوک و مؤلفین کتب عربیه که احکام مجتہدین و تخریجات مقلدین و کلمات مشائخ و اقوال علماء عربیه را مرتب کرده در دفاتر مبسوطه محرر مے‌نمایند۔

پس اول را کمال خلافت و امامت می‌گویند و ثانی را کمال علم و ولایت۔ و ہر چند منشائے این ہر دو کمال توجه عنایت الٰہیه است به تربیت بندگان خود، و مہبط اصلی آن ہر دو قلوب انبیاء است علیہم الصلاۃ والسلام، و اما اول نورے است قوی‌الاشراق که از آفتاب سلطنت الٰہیه بر مرآتِ رسالت پرتو انداخته، و ازاں بطریق انعکاس تمام عالم را فرا گرفته، و شب کفر و فساد را ابتلاءِ شئے گردانیده، و روز اسلام و نظام دارین را جلوه‌گر نموده۔

و ثانی آب زلال است که از ابر ربوبیت باریده، و از فوارۂ حکمت انبیاء جوش زده، و ازاں بحیاض قلوب خواص مجتمع شده، و بکام تشنگان آب طلب بحسب مدارج ایشان رسیده۔

پس لابد مرتبۂ اول را بر ثانی ملحوظ باید داشت، و اہتمام که باول باید کرده به ثانی نباید گماشت۔ مثلاً ہر فردے را از افراد انسان، خواه عالم باشد، خواه جاہل، خواه عاقل باشد، خواه سفیہه، خواه کاتب باشد، خواه امّی، تفتیش مضامین ظاہر کتاب و سنت و تحقیق آن، خواه بفکر خود، خواه باستفسار آن از دیگرے، لازم آمد، و التزام اطاعت انبیاء و اولی‌الامر بالتعیین از اول امر بر جمیع امت واجب شده، و مجاہرۃً بانتساب خود بایشان ضرور افتاد، و احتراز از تشبیہه بکفار و اختلاط مبتدعین و مشارکت بغاۃ از ارکان دین شمرده شد، و اشاعت ظاہر کتاب و سنت بسیف و سنان و مناظره و بیان و تشہیر آن در جمیع قری و بلدان از ارکان دین معدود شد، و تعیین وعاظ که در جمیع مجامع و مساجد بر سر منابر بآواز بلند بسوئے او دعوت نمایند، و تعیین محتسبین که در ہر کوچه و بازار بجبر و قہر بسوئے آن کشند، از افضل عبادات معدود کرده شد، بخلاف۔

قسم ثانی که ہر کس را تحقیق احکام قیاسیه و اشغال صوفیه و قوانین عربیه ضرور نیست، و ارادت و تقلید شخصی معین از مجتہدین و مشائخ در ارکان دین نه (یه، نه، کا لفظ نسخه نمبر ایک یعنی ۱۳۰۱ھ میں نہیں ہے، نسخه نمبر ۲ یعنی اشرفیه میں ہے، اور مولانا بٹالوی نے بھی فارسی نسخے کے ص ۴۵، ۴۶ و غیره سے جو عبارت نقل کی ہے، اس میں بھی نه کا لفظ موجود ہے۔ بہاء)، بلکه ہمین قدر کافی است که وقتے که حاجتے پیش آید از کسی از ایشان استفسار کرده شود، نه آنکه ارادۂ (و، نسخه نمبر ۲ یعنی اشرفیه میں ہے۔ بہاء) تقلید ہم (نسخه نمبر ۲ میں اہم کا لفظ ہے۔ بہاء) مثل ایمان بالانبیاء از ارکان دین شمرده شود، و لقب حنفی و قادری بمشابه لقب مسلمان و سنی اظہار کرده شود، و امتیاز از شافعیان و چشتیان مثل امتیاز از کفار و روافض از لوازم تدین شمرده شود، و انتقال را از مذہبی بمذہبے یا طریقه به طریقه بمثل ارتداد و ابتداع و بغی موجب قتل و ہتک معدود کرده شود، یا دعویٰ اجتہاد و ولایت را مثل دعویٰ نبوت یا دعویٰ امامت بطریق بغی بر امام حق باعث قتال و اہانت قرار داده شود۔

اما نمی‌بینی که باطاعت قاضی جبر کردن می‌رسد، نه براطاعت مجتہد، که رد حکم قاضی واحد قاضی دیگر را ہم نمی‌رسد، چه جائے آحاد رعایا را بخلاف حکم مجتہد که بر ہر کسی قبول آن واجب نیست، لا سیما وقتیکه آنکس خود مجتہد باشد که او را تقلید مجتہد اول اصلاً جائز نیست، و بغی بر امام حق اگرچه آن باغی لیاقت امامت داشته باشد اصلاً جائز نیست، بخلاف دعویٰ اجتہاد که وقتیکه ملکه اجتہاد حاصل شود، لابد دعویٰ اجتہاد باید کرد و تقلید را از گردن خود دور باید انداخت۔

بالجمله غرض از این کلام آنکه اشتغال به تفتیش ظاہر کتاب و سنت و تعلم و تعلیم آن، خواه بخواندن باشد، خواه باستماع مضامین آن، و سعی در اشاعت آن از جنس اکل و شرب و لباس است که مدار زندگانی بر آنست، و اشتغال باحکام فقہیه معتبره و اشغال صوفیه نافعه از قبیل مداوات و معالجه است که عند الضرورت بقدر حاجت بعمل آرند، و بعد از آن بکار اصلی خود مشغول باشند، و عنوان و شعار خود محمدیه خالصه و تسنن قدیم باید داشت، نه تمذہب بمذہب خاص و انسلاک در طریقه مخصوصه، بلکه مذاہب و طرق را مثل دکاکین عطارین باید شمرد، و خود را از منسلکان جند محمدی۔ پس چنانکه سپاہیان را عنوان سپه‌گری شعار است، و اعلاءِ کلمۂ سلطانی کاروبار، و وقتے که بر دوائے محتاج می‌شوند، از ہر دکانے که بدست آید می‌گیرند و بقدر حاجت بعمل مے‌آرند، و باقی را برائے وقت ضرورت نگاه می‌دارند، و کاروبار خود مشغول می‌باشند۔ ہم‌چنین محمدیت خالصه را شعار خود باید کرد، و اقامت ظاہر سنت را کاروبار خود باید داشت، و احکام فقہیه صحیحه را و اشغال صوفیه معتبره را که خالی از شوب فساد و بدعت باشد، بقدر حاجت استعمال باید کرد، و زائد از حاجت بآں توغل نباید کرد۔

